BUDC-134

اردو نظم کا مطالعہ

Study of Urdu Nazm

اسکول آف ہیومینٹیز

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

Block 1, 2, 3

بلاک ۱، ۲، ۳

BUDC-134

اردو نظم کا مطالعہ

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک 1

اردو نظم کا فن، اقسام اور خصوصیات 7

بلاک 2

چنندہ نظم گو شعرا کی نظم گوئی کی خصوصیات اور منتخب نظموں کی تشریحات-I 67

بلاک 3

چنندہ نظم گو شعرا کی نظم گوئی کی خصوصیات اور منتخب نظموں کی تشریحات-II 151

EXPERT COMMITTEE

Professor Satyakam
Director, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Professor Mohd. Shahid Husain
603/7, Shahjahanabad Apartments
Plot No. 1, Sector -11, Dwarka, New Delhi

Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim
Gul-e-Afraheim, Street No.4A, Near Sunny
P.C.O, Bypass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.

Professor Wahajuddin Alvi
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia
New Delhi.

Professor Shabnam Hameed
Department of Urdu, University of Allahabad,
Prayagraj, U.P.

Professor Diwan Hannan Khan
DEL, NCERT
New Delhi.

COURSE COORDINATOR

Professor Malati Mathur, Director, School of Humanities, IGNOU, New Delhi

Dr. Abdul Hafiz Consultant Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi

Dr. Qudsia Nasir Consultant Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi.

Editor: Prof. Mohd. Shahid Husain, 603/7, Plot No.1, Sector-11, Dwarka, New Delhi

COURSE PREPARATION

Professor Mohd. Shahid Husain, Dwarka, New Delhi	Unit 1
Professor Nasir Ahmad Khan, New Delhi	Unit 2
Professor Ghazanfar Ali, Aligarh, U.P.	Unit 3
Dr. Nusrat Jahan, Surendranath evening College, Kolkata	Unit 4
Dr. Abdul Hafiz, IGNOU, New Delhi	Unit 5
Dr. Qudsia Nasir, IGNOU, New Delhi	Unit 6
Dr. Najma Rehmani, DU, New Delhi	Unit 7
Professor Shabnam Hameed, Allahabad University, U.P.	Unit 8
Professor Nauman Khan, Bhopal, M.P.	Unit 9
Professor Zia Ur Rehman Siddiqui, AMU, Aligarh, U.P.	Unit 10
Dr. Abdul Hafiz, IGNOU, New Delhi	Unit 11
Dr. Mohd. Akbar, MANUU, Hyderabad, A.P.	Unit 12

PRODUCTION

Mr. Tilak Raj
Assistant Registrar (Pub.)
MPDD, IGNOU, New Delhi

Mrs. Sumathy Nair
Section Officer (Pub)
MPDD, IGNOU, New Delhi

February, 2021

© Indira Gandhi National Open University, 2021

ISBN:

All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the copyright holder.

Further information on the Indira Gandhi National Open University courses may be obtained from the University's office at Maidan Garhi, New Delhi-110068 or the official website of IGNOU at www.ignou.ac.in

Printed and published on behalf of the Indira Gandhi National Open University by Registrar, MPDD, Maidan Garhi, New Delhi

CRC Prepared by Tessa Media & Computers, C-206, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, N.D.-25

Printed at: Amety Offset Printers, Sahibabad

کورس کا تعارف

اس کورس کا نام **'اردو نظم کا مطالعہ'** ہے۔اس کورس کا مقصد طلباء کو اردو نظم کے آغاز وارتقاء، اردو کے کچھ مشہور نظم نگاروں اوران کی دو منتخب نظموں کی تدریس وتشریح کے ذریعے طلباء کے علم میں اضافہ کرنا ہے۔اس کورس کے ذریعے وہ اردو نظم کی تاریخ اورفن کا مطالعہ کریں گے۔

اس کورس کا مطالعہ کرنے والے ایسے طلبہ بھی ہوں گے جن کی مادری زبان اردو ہے۔وہ بچپن سے اسے بولتے ، سنتے اور پڑھتے آئے ہوں گے۔کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن اردو کو دوسری زبان کے طور پر پڑھا اور اپنایا ہے۔اس کورس کو تیار کرتے ہوئے ان سبھی کا خیال رکھا گیا ہے۔

اس پورے نصاب کا مقصد اردو نظم کے تمام پہلوؤں کی تفصیلی جانکاری فراہم کرانا ہے۔اسی کے ساتھ طلبا کے لیے اردو کے اہم نظم نگاروں کے متعلق جانکاری اوران کی منتخب تخلیقات کی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔

اس کورس کو تین بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے۔اور ہر بلاک چار چار اکائیوں پر مشتمل ہے۔ کورس **BUDC-134 اردو نظم کا مطالعہ** کے پہلے بلاک کا عنوان **اردو نظم کا فن، اقسام اور خصوصیات** ہے۔جس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی 1: 'اردو نظم کی تعریف، اقسام اور خصوصیات' میں نظم کے فن، اقسام اور خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

اکائی 2: 'اردو نظم کا آغاز وارتقا' میں اردو نظم کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

اکائی 3: 'اردو نظم کا تہذیبی وسماجی پس منظر' میں اس مکمل پس منظر کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اردو ادب میں نظم کی ترویج وترقی ہوئی۔

اکائی 4: 'اردو نظم اور حب الوطنی' میں جن شاعروں نے وطن کی محبت سے سرشار ہوکر نظمیں تحریر کیں ان کا اوران کی تخلیقات کا ذکر ہے۔

کورس **BUDC-134 اردو نظم کا مطالعہ** کے دوسرے بلاک کا عنوان **چنندہ نظم گو شعرا کی نظم گوئی کی خصوصیات اور منتخب نظموں کی تشریحات-I** ہے۔یہ بلاک منتخب نظم نگاروں کی خصوصیات اوران کی مخصوص نظموں کی تشریحات سے متعلق ہے۔اس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی 5: نظیر اکبرآبادی کی حیات، فن اور نظم نگاری کی خصوصیات کے ساتھ ان کی دو منتخب نظموں کی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔

اکائی6: محمد حسین آزاد کی نظم نگاری، ان کے عہد، فن اور منتخب دو نظموں کی تفصیلات تحریر کی گئی ہیں۔

اکائی7: خواجہ الطاف حسین حالی کی حیات، فن اور نظم نگاری کے ساتھ دو منتخب نظموں کی تشریحات ہیں۔

اکائی8: اکبر الہ آبادی کی نظم نگاری کا پس منظر، عہد اور فن کے ساتھ دو منتخب نظموں کی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔

کورس **BUDC-134 اردو نظم کا مطالعہ** کے تیسرے بلاک کا عنوان **چنندہ نظم گو شعرا کی نظم گوئی کی خصوصیات اور منتخب نظموں کی تشریحات-II** ہے۔ یہ بلاک منتخب نظم نگاروں کی خصوصیات اور ان کی مخصوص نظموں کی تشریحات سے متعلق ہے۔اس میں بھی کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی9: اسمٰعیل میرٹھی کی نظم نگاری کی خصوصیات، فن اور منتخب نظموں کی تشریحات ہیں۔

اکائی10: برج نرائن چکبست کی نظم نگاری، ان کے عہد، فن اور مخصوص نظموں کی تشریحات ہیں۔

اکائی11: علامہ اقبال کی نظم نگاری، ان کے عہد، فن اور ان کی شاعری کے مختلف ادوار کے ساتھ دو منتخب نظموں کا مطالعہ کریں گے۔

اکائی12: جوش ملیح آبادی کی شاعری، عہد، فن، حیات اور منتخب نظموں سے واقفیت حاصل کریں گے۔

BUDC-134

اردو نظم کا مطالعہ

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک
1

اردو نظم کا فن، اقسام اور خصوصیات

بلاک 1 کا تعارف

اکائی 1
اردو نظم کی تعریف، اقسام اور خصوصیات 7

اکائی 2
اردو نظم کا آغاز وارتقا 21

اکائی 3
اردو نظم کا تہذیبی وسماجی پس منظر 35

اکائی 4
اردو نظم اور حب الوطنی 47

بلاک 1 تعارف

پہلے بلاک کا عنوان **اردو نظم کا فن، اقسام اور خصوصیات** ہے۔ جس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی 1: 'اردو نظم کی تعریف، اقسام اور خصوصیات' میں نظم کے فن، اقسام اور خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

اکائی 2: 'اردو نظم کا آغاز وارتقا' میں اردو نظم کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

اکائی 3: 'اردو نظم کا تہذیبی وسماجی پس منظر' میں مکمل پس منظر کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اردو ادب میں نظم کی ترویج وترقی ہوئی۔

اکائی 4: 'اردو نظم اور حب الوطنی' میں جن شاعروں نے وطن کی محبت سے سرشار ہو کر نظمیں تحریر کیں ان کا اور ان کی تخلیقات کا ذکر ہے۔

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 1 اردو نظم کی تعریف، اقسام اور خصوصیات

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 نظم کی تعریف اور شناخت

1.4 اردو نظم کی اقسام

1.5 اردو نظم کی خصوصیات

1.6 آپ نے کیا سیکھا

1.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1.8 سوالات کے جوابات

1.9 فرہنگ

1.10 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- لفظ نظم کے معنی سے متعرف ہوں گے
- یہ کوئی صنف ہے یا ہیئت اس کی جانکاری لیں گے
- اس کی شناخت موضوع ہے یا ہیئت اس کا مطالعہ کریں گے
- یہ جانیں گے کہ اس کی کیا کیا اقسام ہیں
- اس کی مختلف صنفی خصوصیات سے واقف ہوں گے

1.2 تمہید

اردو زبان پیدا تو دہلی اور نواح دہلی میں ہوئی مگر اس کے ادب کا آغاز وارتقا پہلے دکن میں ہوا۔ اس کی مختلف سیاسی، سماجی اور اقتصادی وجوہات ہیں جن کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں۔ دکن میں اردو ادب کے آغاز وارتقا پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی پہلی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' دکن میں تخلیق کی گئی، اردو کی پہلی نثری کتاب ''سب رس'' بھی دکن کی ہی زائیدہ ہے، اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر دکن کے قلی قطب شاہ کو ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

اردو ادب کے دکن میں پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کا دور قریب چار سو سال پر محیط ہے اس پورے دور میں غزل اور مثنوی نے سب سے زیادہ ترقی کی اور ان کے سائے نے نظم کو ٹھیک سے پنپنے نہیں دیا پھر بھی اس عہد میں کچھ اچھی نظمیں لکھی گئیں۔

شمالی ہند میں بھی غزل، مثنوی اور قصیدہ دوسری اصناف پر حاوی رہا۔ اس کے باوجود اِکا دُکا نظمیں تخلیق کی جاتی رہیں۔ نظم کا اصل فروغ جدید دور میں ہوا جو محمد حسین آزاد اور حالی سے شروع ہوتا ہے اور جس کی فکری اساس سرسید احمد خاں نے استوار کر دی تھی۔ اس کے فروغ میں مغربی اثرات کا بھی کافی دخل ہے۔ حالانکہ جدید دور سے پہلے نظیر اکبر آبادی نے اپنے کو نظم کے لیے وقف کر کے اعتبار حاصل کیا تھا مگر اس وقت ان کی اس طرح پذیرائی نہیں ہوئی جیسی کہ ہونی چاہیے تھی۔ پھر بھی اس صنف پر صرف کیا گیا ان کا خون جگر ضائع نہیں گیا۔ نظیر کو آج جو مقبولیت و اہمیت حاصل ہے اس نے ان کے ساتھ ماضی میں ہوئی ناانصافیوں کا مداوا کر دیا ہے۔

1.3 نظم کی تعریف اور شناخت

نظم عربی زبان کا لفظ ہے جو فارسی کے توسط سے اردو میں آیا۔ اس کے لغوی معنی ہیں:

1- پرونا، موتیوں کو تاگے میں پرونا، لڑی، سلک

2۔ انتظام، بندوبست

3- کلام موزوں، شعر، چھند، کبت، ضد نثر۔ (فرہنگ آصفیہ)

لغات کشوری میں اس کے معنی اس طرح درج ہیں:

''پرونا موتیوں کا دھاگے میں، مجازاً کلام موزوں، شعر، آرائش، آراستہ کرنا'' زیادہ تر لغتوں میں یہی معنی دیئے ہوئے ہیں۔ اس سے اردو ادب دو حصوں یعنی نثر اور نظم میں بٹ گیا کیونکہ یہاں نظم سے جملہ شاعری مراد ہے۔ قدیم شعرائے اردو نے اسے انھیں معنوں میں برتا ہے۔ میر حسن تذکرہ شعرائے اردو میں سودا کے بارے میں لکھتے ہیں: ''نظمش طرب انگیز است'' میر کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ساخت نظمش گلشن ہا۔''

غالب نظم سے جملہ شاعری مراد لیتے ہوئے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا۔''

نسیم لکھنوی نے بھی نظم سے جملہ شاعری مراد لی ہے۔ وہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں:

یہ ہے فیض نعت حبیب خدا　　مری نظم مقبول عالم ہوئی

جدید شعرا کے یہاں بھی شعری تخلیق کو نثر سے ممیّز کرنے کے لئے نظم کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً:

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا

یا ''داغ نے عشق کے شوخ معاملات کو خوب نظم کیا ہے''۔ اس طرح غزل بھی نظم کے دائرے میں آ جاتی ہے۔ یعنی غزل بھی ایک طرح کی نظم ہی ہے۔

شعر کی تخلیق کو نثر سے ممیّز کرنے کے لئے نظم کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مذکورہ شعرا نے لفظ نظم کو اس کے مرادی یا مجازی معنوں میں برتا ہے، اصل معنوں میں نہیں۔

مزید یہ کہ جامع اللغات (جو ایک مستند لغت ہے) میں لفظ نظم کے معنی اس طرح درج ہیں:

''شعر و کلام موزوں، چند شعروں کا مجموعہ جو ایک ہی مضمون پر ہو۔''

جامع اللغات کے آخری الفاظ (چند اشعار کا مجموعہ جو ایک ہی مضمون پر ہو) سے دور جدید کی اس نظم کا تصور ابھرتا ہے جو مغربی اثرات سے وجود میں آ کر ایک صنف کی حیثیت سے پروان چڑھی۔ چند اشعار ایک موضوع پر ہونے کا مطلب تسلسل و ربط ہے، یعنی تمام اشعار آپس میں منسلک ہوں اور تمام اشعار مل کر موضوع یا خیال کو مکمل کریں۔ لیکن تسلسل بیان سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ غزل کو چھوڑ کر تمام اقسام شعر یعنی قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، ترکیب بند، ترجیع بند اور مسمط کی آٹھوں شکلیں سب میں تسلسل بیان ہوتا ہے تو اب صنف نظم کی شناخت کیسے ہو جبکہ صنف نظم کے لئے کوئی ہیئت بھی متعین نہیں ہے۔ جیسے کہ غزل کی ہیئت متعین ہے کہ مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں گے۔ تمام ثانی مصرعے ہم قافیہ ہوں گے۔ آخری شعر (مقطع) میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے گا۔ اس کا ہر شعر خود مکتفی ہوگا۔ یعنی ایک شعر میں ایک بات، ایک خیال یا ایک صورت حال مکمل ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ اس میں تسلسل بیان نہیں ہوگا۔ یا مثنوی کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں گے اور ہر شعر کا قافیہ بدل جائے گا لیکن نظم کے لئے ایسی کوئی ہیئت مقرر نہیں۔ یہ ہمیشہ سے غزل، مثنوی، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، متسع، معشر، ترجیع بند، ترکیب بند، عاری اور آزاد ہیئتوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔

قصیدہ، مرثیہ، واسوخت اور شہر آشوب کی طرح اس کا کوئی موضوع بھی متعین نہیں ہے۔ قدیم و جدید نظم کے سرمائے پر نظر ڈالیں تو یہ مناظر قدرت، پرندوں، تہواروں، موسموں، تاریخی واقعات، اخلاقی و مذہبی موضوعات، حسن عشق کی چھیڑ چھاڑ، قومی، معاشی، سماجی و سیاسی مسائل، فلسفیانہ رموز و نکات، غرض زندگی و کائنات کے تمام موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹے نظر آتی ہے۔

لیکن نظم، غزل و مثنوی کی ہیئت میں لکھے جانے کے باوجود نہ غزل ہے، نہ مثنوی، نہ قصیدہ بلکہ یہ اپنے آپ میں ایک صنف شعر ہے جسے ہم نظم کہتے ہیں، جس کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اس کی شناخت کا دارومدار اس کے موضوع، تسلسل خیال اور مرکزیت فکر پر ہے۔ شمیم احمد نے لکھا ہے:

> ''معنوی اعتبار سے ''نظم'' ایک نہایت بسیط، وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے۔ یہاں تک کہ اگر اصناف سخن میں سے غزل کو منہا کر دیا جائے تو دیگر تمام اصناف سخن مثلاً قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، واسوخت اور شہر آشوب، درحقیقت نظم ہی کے مختلف موضوعات و اسالیب قرار پائیں گے، یعنی ہر وہ شعری تخلیق جو خیال کی ریزہ کاری پر نہیں خیال و فکر کی شیرازہ بندی، تسلسل خیال اور ربط پر مبنی ہے وہ وسیع تر معنوں میں نظم ہے۔ لیکن نظم سے یہاں ہماری مراد نہ قصیدہ ہے، نہ مرثیہ، نہ مثنوی، نہ شہر آشوب، نہ واسوخت بلکہ وہ صنف ہے جسے ہم ''نظم'' ہی کہتے ہیں۔'' (شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، انڈیا بک امپوریم بھوپال، 1981، ص:100)

نظم میں موضوع ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ سب ایک بنیادی موضوع کے تحت یا اس سے مربوط ہوتے ہیں۔ نظم میں جو بنیادی موضوع ہے اس کے اِردگرد سارا تانا بانا بنا جاتا ہے اور اس کے ذریعے ایک بنیادی تاثر قائم کیا جاتا ہے۔ اس کا واقعاتی بیان اور رنگارنگی اس کی شناخت میں معاون ہوتی ہے۔ کلیم الدین احمد کے خیال میں اچھی نظم کا معیار یہ ہے کہ شعریت کو اس کے چند شعروں میں ہی نہیں لینا چاہئے بلکہ وہ پوری نظم میں جاری ہو اور یوں جاری و ساری ہو کہ کسی مخصوص شعر کو نظم سے الگ کرنا ممکن نہ ہو۔

کلیم الدین احمد کا یہ بھی خیال ہے کہ ہر نظم مبسوط اور طولانی نہیں ہوتی، ربط و تسلسل البتہ شرط ہے۔ ورنہ نظم مختصر بھی ہو سکتی اور ہوتی ہے۔ (کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، حصہ دوم، 1966، ص:6-5)

نظم کی شناخت کے لئے اگر اس کا مقابلہ غزل سے کیا جائے تو بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ:

غزل میں مطلع و مقطع ہوتا ہے۔	نظم میں مطلع و مقطع نہیں ہوتا۔
غزل میں ردیف و قافیہ ہوتا ہے۔	نظم میں ردیف و قافیہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔
غزل متفرق خیال کا مجموعہ ہوتی ہے۔	نظم میں مربوط خیال ہوتا ہے۔
غزل کے اشعار کی تعداد متعین ہے گو کہ دو غزلہ، سہ غزلہ کہہ کر تعین تعداد کی نفی بھی کی گئی۔	نظم میں اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں۔
غزل کے مضامین مخصوص تھے (گو کہ اب نہیں ہیں)	نظم پر یہ قید کبھی نہیں لگائی گئی۔

غزل کے سب مصرعے برابر ہوتے ہیں۔	نظم کے مصرعے چھوٹے بڑے بھی ہوتے ہیں۔
غزل بلاعنوان ہوتی ہے۔	نظم کا کوئی نہ کوئی عنوان ہوتا ہے۔
غزل، مثنوی یا کسی اور شکل میں نہیں لکھی جاسکتی۔	نظم مثنوی اور دوسری ہیئتوں میں بھی لکھی جاتی ہے۔
غزل کے اشعار میں باہمی ربط و تسلسل نہیں ہوتا۔	نظم کے اشعار موضوع اور خیال کے اعتبار سے آپس میں منسلک ہوتے ہیں۔
غزل کی ہیئت مخصوص ہے۔	نظم کے لئے کوئی ہیئت مخصوص نہیں۔

1.4 اقسام نظم

ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے جس میں بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئے رجحانات، خیالات وطور طریقے کا عکس عیاں ہوتا ہے۔ صنعتی انقلاب کے تحت جب سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات اور فکر وخیال میں تبدیلی پیدا ہوئی، سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ بدلنے لگے اور شاعروں کو نئے نئے مسائل درپیش آئے تو اس کا اثر شعری اصناف پر بھی پڑا۔ شعرا نے اظہار خیال کے لئے نئے سانچے مغرب سے مستعار بھی لئے اور مروجہ سانچوں میں نئی نئی صورتیں بھی پیدا کیں۔ نظم بھی اس سے مستثنا نہیں رہی۔ پہلے بھی نظم کے لئے کوئی ہیئت مخصوص نہیں تھی چنانچہ اسے جن اسالیب اور ہیئتوں میں پیش کیا گیا اس سے اس کے اقسام کا تعین ممکن ہے۔

ترکیب بند:

ترکیب بند ایک ہیئت ہے۔ غزل کی طرح اس میں قافیے کا استعمال ہوتا ہے اور مصرعے بھی غزل کی طرح ہوتے ہیں۔ ترکیب بند کے ایک بند میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار ہو سکتے ہیں۔ ترکیب بند کے لئے بند کی تعداد متعین نہیں ہے۔ لیکن ایک بند میں جتنے اشعار ہوں گے تمام بند میں اشعار کی تعداد اتنی ہی ہوگی۔ یعنی تمام بند اشعار کی تعداد کے لحاظ سے برابر ہوں گے۔ اب مان لیجئے ایک چار شعروں کا بند ہے تو تین شعر ہم قافیہ ہوں گے، چوتھا شعر اسی بحر میں ہوگا مگر اس کا قافیہ بدل جائے گا۔ اس چوتھے شعر کو ٹیپ کا شعر کہتے ہیں۔ اس طرح اس ہیئت کا ایک بند مکمل ہوا۔ اسی طور پر تمام بند تشکیل پائیں گے۔ لیکن ہمیشہ ان اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی کہیں کہیں اس سے انحراف بھی ملتا ہے۔ اس میں موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ بند کی مثال کے لئے علامہ اقبال کی نظم ''حضور رسالت مآب'' کا یہ بند دیکھیں۔ اقبال نے اپنی نظموں میں ہیئت کے کافی تجربے کئے ہیں۔ ان کی یہ نظم ہے تو ترکیب بند کی ہی ہیئت میں مگر اس بند میں چار ہی اشعار ہیں۔

حضور! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

ترجیع بند:

ترجیع کا مطلب لوٹانا ہوتا ہے۔ ترجیع بند اور ترکیب بند میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ ترکیب بند کے ہر بند میں ٹیپ کا شعر مختلف ہوتا ہے۔ ترجیع بند میں پہلے بند کا ٹیپ کا شعر سارے بندوں میں دہرایا جاتا ہے لیکن اس طرح کہ معنی کے اعتبار سے وہ ہر بند کا فطری جز معلوم ہو۔ ٹیپ کے شعر کے علاوہ ترکیب بند کی طرح اس میں بھی اشعار کی ہیئت غزل کی ہی طرح ہوتی ہے۔ مثال:

دیا جی جو تجھ فتنہ ناز کوں ہوا صبح محشر سوں اس کا کفن

سراپا بدن گل کے پانی ہوا ترے غم سوں جیوں شبنم اے گل بدن

شتابی خبر لے کہ بیتاب ہوں
ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں

جو کچھ اس سوں ظاہر ہوا تھا مجھے ہوا ہے وہی حال اے نو نہال

تمنا نہیں اور کچھ دل منیں سدا تجھ سوں میرا یہی ہے سوال

شتابی خبر لے کہ بیتاب ہوں
ترے عشق میں بے خور و خواب ہوں

(بحوالہ شمیم احمد۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص:110)

ترکیب بند کی طرح ترجیع بند میں بھی ہر بند کے اشعار کی تعداد یکساں ہوتی ہے۔ ترجیع بند اور ترکیب بند میں ٹیپ کے شعر کی جگہ ایک مصرعہ ہی باندھا جائے تو بھی یہ ترکیب بند یا ترجیع بند ہی رہیں گے۔

مستزاد:

مستزاد ایک شعری ہیئت ہے۔ لغات کشوری میں اس کے معنی ''زیادہ کیا گیا، ایک قسم شعر کی جس کے ہر مصرعے کے آخر میں ایک کلمہ وزن میں زیادہ لاتے ہیں۔'' یہ اضافہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی مصرع یا شعر کے آخر میں کچھ موزوں فقرے جوڑ دیئے جاتے ہیں۔

مستزاد کے لئے کوئی بحر مخصوص نہیں یہ کسی بحر میں ہوسکتا ہے۔ اضافہ کئے گئے جملے غزل یا نظم کے قافیوں کے ہم قافیہ بھی ہوسکتے ہیں اور مختلف قافیے میں بھی۔ عام طور سے کسی مصرعے یا شعر پر ایک

یا دو مصرعوں کا اضافہ کیا جاتا ہے اس کی بھی مثالیں ہیں کہ شعرا نے پانچ پانچ مصرعوں کا اضافہ کیا۔ مختلف قافیہ والے مستزاد کی مثال:

میں ہوں عاشق مجھے غم کھانے سے انکار نہیں کہ ہے غم میری غذا
تو ہے معشوق تجھے غم سے سروکار نہیں کھائے غم تیری بلا

ہم قافیہ مستزاد کی مثال:

تاریک افق کے ماتھے سے صدیوں کی سیاہی چھوٹ گئی
ظلمات کا سینہ چاک ہوا، لو سانس بھی شب کی ٹوٹ گئی لو صبح کی پو بھی پھوٹ گئی

(بحوالہ شمیم احمد۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص:113)

مستزاد اپنے آپ میں نہ صنف ہے نہ ہیئت۔ پہلے سے موجود ہیئتوں پر محض چند جملوں کا اضافہ ہے۔ تخلیق کار کو نئے نئے تجربوں کا شوق ہوتا ہے مستزاد بھی اسی شوق کا نتیجہ ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

قطعہ:

عربی شاعری میں قطعہ ایک صنف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردو میں اسے بہ مشکل ہیئت مانتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اور غزل میں بہت کم فرق ہے۔ قافیے کا نظام بھی غزل کی طرح ہی ہوتا ہے۔ قطعہ اور غزل میں فرق یہ ہے کہ قطع میں مطلع نہیں ہوتا اور غزل کے برخلاف اس کے سارے اشعار معنوی اعتبار سے مسلسل اور ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں اور اس میں اشعار کی تعداد معین نہیں یہی چیز اسے نظم بناتی ہے۔ بعض شعرا نے قطعہ میں بھی مطلع کہا ہے۔ انھیں غزل کی ہیئت میں کہی گئی نظم کہا جائے گا۔

مقطعے میں اگر دو سے زائد اشعار ہیں اور تمام شعر آپس میں مربوط ہیں تو یہ نظم ہے ایسا قطعہ الگ سے لکھا جاتا ہے۔ قطعہ میں کم سے کم دو شعر ضروری ہیں۔ چنانچہ اگر دو ہیں (خواہ اس میں مطلع بھی کیوں نہ ہو) اور دونوں مل کر کسی خیال کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور رباعی کے کسی وزن میں نہیں ہیں تو یہ مقطع کہلائیں گے رباعی نہیں۔ یہ بھی الگ سے لکھے جاتے ہیں۔

ایک قطعہ غزل کے اندر پایا جاتا ہے اسے الگ سے نہیں لکھتے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھی شاعر کسی خیال کو غزل کے ایک شعر میں مکمل نہیں کر پاتا اور ایک سے زائد اشعار میں مکمل کرتا ہے تو اسے قطعہ بند اشعار کہتے ہیں۔ اس کی مثال میر کی غزل کے ان دو اشعار میں مل جائے گی۔

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسو کا سر پُر غرور تھا

قطعے کی ہیئت میں نظم کہنے کا ایک نادر اور کمیاب طرح یہ بھی ہے کہ شعر کے پہلے مصرعے کا دوسرا مصرعہ آدھا ہوتا ہے۔اس میں مستزاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ملاحظہ ہو:

میرے آقا کو گلہ ہے کہ مری حق گوئی راز کیوں کھولتی ہے
اور میں پوچھتا ہوں تیری سیاست فن میں زہر کیوں گھولتی ہے

(احمد ندیم قاسمی، پابندی۔بحوالہ شمیم احمد، اصناف سخن اور شعری ہیئتیں، ص:120)

مسمط:

ایک مخصوص ہیئتی نظام کا نام ہے جس کے تحت مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے آٹھ ہیئتیں آتی ہیں۔ ان سب کو ملا کر مسمط کہتے ہیں۔ان آٹھ ہیئتوں کے الگ الگ نام ہیں۔اگر کسی نظم کے ہر بند پانچ پانچ مصرعوں کے ہیں تو اسے مخمس کہیں گے۔مسمط کی کسی ہیئت میں کہی گئی نظم کے پہلے بند کے تمام مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔بعد کے تمام بندوں کے مصرعے، آخری مصرعے کو چھوڑ کر الگ الگ قافیوں میں باندھے جاتے ہیں۔ہر بند کا آخری مصرعہ پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔پوری نظم میں یہی اصول برتا جاتا ہے۔مسمط کی آٹھ شکلیں اس طرح ہیں۔

مثلث:

اس میں ہر بند تین مصرعوں کا ہوتا ہے۔اس کے پہلے بند کے تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔بعد کے ہر بند کے دو مصرعے کسی اور قافیے میں ہوتے ہیں لیکن تیسرا مصرعہ پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔
مثال:

شفق کی چھاؤں میں چرواہا جب بنسی بجاتا ہے
تصور میں مرے ماضی کے نقشے کھینچ لاتا ہے
نظر میں ایک بھولا بسرا عالم لہلہاتا ہے
مرے افکار طفلی کو ہے نسبت اس کے نغموں سے
میں بچپن میں کیا کرتا تھا الفت اس کے نغموں سے
جبھی بنسی کی لے میں عہد طفلی جھلملاتا ہے

مربع:

اس میں چار مصرعوں کا ایک بند ہوتا ہے اس لئے اسے مربع کہتے ہیں۔اس کی بنیادی شکل تو وہی ہوتی ہے جو دیگر مسمطی ہیئت کی ہوتی ہے۔یعنی پہلے بند کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں گے۔ آگے کے بندوں کا چوتھا مصرعہ پہلے بند کا ہم قافیہ ہوگا۔مثال:

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں گے مل کر ترانہ کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ
نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن چمک اپنی دکھلائیں گے اب بھلے دن
رکے گا نہ عالم ترقی کیے بن کرو صبر آتا ہے اچھا زمانہ

مربع میں بہت تجربات کئے گئے جن پر گفتگو یہاں بیجا طوالت کا باعث ہوگی۔

مخمس:

مخمس میں پانچ مصرعے کا ایک بند ہوتا ہے۔اس کی بھی بنیادی مسمطی شکل تو وہی ہے جو دوسری اقسام مسمط کی ہے۔مگر اس میں قافیوں کی ترتیب کی کہیں زیادہ نوع بہ نوع اور متحیر کر دینے والی مثالیں ملتی ہیں۔

مسدس:

مسمط کی اس ہیئت میں چھ مصرعے ہوتے ہیں اسی لئے اسے مسدس کہتے ہیں۔اس کے ہر بند کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے الگ قافیہ رکھتے ہیں۔ دراصل یہ ہیئت مسمط کی اصل ہیئت کے نظام قافیہ کی خلاف ورزی کرتی ہے یعنی اس میں ہر بند کا چھٹا مصرعہ پہلے بند کے قافیوں کا ہم قافیہ نہیں ہوتا۔اس لئے بعض علما نے اسے مسمط کے ہیئتی نظام سے خارج کر دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مسدس کی یہ ہیئتی وضع خاص اردو کی چیز ہے۔عربی اور فارسی میں مسدس کی یہ شکل موجود نہیں ہے۔اردو میں مسدس کی ہیئت بہت زیادہ مستعمل و مقبول رہی ہے۔اس کو شعرا نے بہت کثرت سے برتا ہے اور متنوع تجربے کئے ہیں۔مسدس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

نہ رستہ ترقی کا کوئی کھلا تھا نہ زینہ بلندی پہ کوئی لگا تھا
وہ صحرا انھیں قطع کرنا پڑا تھا جہاں نقش پا تھا نہ شور درا تھا
جوں ہی کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے خود ان کا دل رہنمائی

کربلائی اور شخصی مرثیے بیشتر اسی ہیئت میں لکھے گئے ہیں اور دیگر چھوٹی بڑی نظموں کے لئے بھی کثرت سے اس کا استعمال ہوا ہے۔

مسبع:

مسمط کی اس ہیئت میں سات مصرعے ہوتے ہیں۔قافیوں کی ترتیب اس میں بھی وہی ہوتی ہے جو دوسری مسمطی ہیئتوں کی ہوتی ہے یعنی پہلے بند کے ساتوں مصرعے ایک قافیے میں ہوتے ہیں اور

آگے آنے والے تمام بندوں کے چھ مصرعے کسی اور قافیے میں ہوتے ہیں لیکن ساتواں مصرعہ پہلے بند کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اردو میں اس ہیئت کو شاذ و نادر ہی برتا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی مثالیں بھی نہیں ملتی ہیں۔

مثمن:

اس ہیئت میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں۔ اس میں بھی قافیوں کا وہی اصول برتا جاتا ہے جو دیگر مسمطی ہیئتوں کے لئے اوپر بیان ہوا۔ دیگر ہیئتوں کی طرح اس میں بھی تجربے ہوتے ہیں اور قافیوں کے مذکورہ اصول میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔

متسع:

اس ہیئت میں نو مصرعے ہوتے ہیں اور اس میں بھی قافیوں کا اسی طرح استعمال ہوتا ہے جیسا کہ دوسری مسمطی ہیئتوں میں ہوتا ہے۔ اس ہیئت کا بھی اردو میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔

معشر:

عربی میں عشرہ کے معنی دس ہیں چنانچہ اس ہیئت کے ہر بند میں دس مصرعے ہوتے ہیں اور اس میں قافیوں کا استعمال ماقبل کی طرح ہوتا ہے۔ یہ ہیئت بھی اردو میں برائے نام ہی برتی گئی ہے۔

انگریزی اثرات سے قبل بھی ہمارے شعرا نے مسمطی آٹھوں ہیئتوں میں قافیوں کی ترتیب میں نئی نئی صورتیں پیدا کی تھیں۔ پھر مغربی شاعری کی ہیئتوں سے ہمارے شعرا واقف ہوئے اور انھیں استعمال کرنا شروع کیا تو نظم نگاری کی دنیا کافی وسیع ہوگئی اور نظم ایک نئی آب و تاب کے ساتھ ابھری۔ یہاں ان چند مغربی ہیئتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو زیادہ مقبول ہوئیں۔

اسٹینزا:

مغربی شاعری کی ایک ہیئت ہے۔ ہمارے یہاں مسمط کی آٹھوں شکلیں اس سے ملتی جلتی پہلے سے موجود تھیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے اسٹینزا کو اپنا لیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس کے اثر سے قافیائی ترتیب کے بہت سے قابل قدر تجربے ہوئے۔ جس سے نظم کی ہیئتوں میں وسعت آئی۔ مغرب سے آئی ہوئی کچھ ہیئتوں کو ان کی ظاہری ہیئت کے ساتھ کسی حد تک پوری طرح اپنا لیا گیا۔ لیکن ان کے عروضی نظام کو پوری طرح نہیں اپنایا جا سکا۔ پھر بھی وہ اردو میں کافی مقبول ہوئیں جیسے ''نظم معرا'' اور ''آزاد نظم''۔

نظم معرا:

نظم معرا انگریزی سے اردو میں آئی۔ انگریزی میں اسے 'Blank Verse'' کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک ہیئت ہے۔ اس میں قافیہ نہیں ہوتا۔ اردو میں اس کے لئے کوئی بحر بھی مخصوص نہیں ہے۔ اس کے دو مصرعوں کے ارکان کی تعداد ہمارے اپنے عروضی نظام کے مطابق برابر ہوتی ہے، بس قافیہ نہیں ہوتا۔

یہ ترے پیار کی خوشبو سے مہکتی ہوئی رات
اپنے سینے میں چھپائے ترے دل کی دھڑکن
آج پھر تیری ادا سے مرے پاس آئی ہے

مغربی اثرات کے ابتدائی دور میں ہمارے شعرا نے اسے بڑے شد و مد سے اپنایا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی جگہ ''آزاد نظم'' نے لے لی۔

آزاد نظم:

آزاد نظم ایک شعری ہیئت ہے جو نظم کے لئے استعمال ہوتی ہے، از خود یہ نظم نہیں ہے۔ مغرب سے آئی ہوئی یہ ہیئت اردو میں اس قدر مقبول ہوئی کہ دوسری ہیئتیں ماند پڑ گئیں۔ فرانسیسی شاعری کی یہ ہیئت انگریزی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے۔ انگریزی میں اسے ''Free Verse'' کہتے ہیں۔ اردو میں اس کا لفظی ترجمہ آزاد نظم کر لیا گیا۔ انگریزی میں یہ ہیئت عروض اور قافیے کی پابندی سے آزاد ہے۔ اردو میں بھی نظم معرا کی طرح قافیے سے آزادی حاصل کر لی گئی ہے لیکن بحر سے آزادی نہیں حاصل کی گئی۔ اردو میں لکھی گئی آزاد نظمیں کسی نہ کسی بحر اور اس کے مخصوص وزن میں ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں انگریزی کی طرح مصرع چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ اختیار کئے گئے وزن کے ارکان کو کسی مصرع میں کم اور کسی میں زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح مصرعے چھوٹے بڑے ہو جاتے ہیں لیکن اس میں وزن برقرار رہتا ہے۔

1.5 اردو نظم کی خصوصیات

شمس الرحمان فاروقی اپنی کتاب شعر، غیر شعر اور نثر میں لکھتے ہیں:

> ''غزل اپنی بالواسطگی، غیر واقعیت اور استعاراتی اسلوب کی وجہ سے نظم سے بہتر صنف شاعری ہے۔ اور اس کے برعکس دوسرا تاثر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ نظم ربط و اتفاق کی وجہ سے تخلیق کا کامل نمونہ بنتی ہے۔ اس لئے غزل سے بہتر صنف شاعری ہے۔''

فاروقی ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''نظم کی سب سے مضبوطی یہ ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یعنی وہ غزل کی سی پابندیوں میں محصور نہیں ہے۔''
(شمس الرحمٰن فاروقی، تعبیر کی شرح، ص:122)

شمس الرحمٰن فاروقی نے تعبیر کی شرح میں ہی یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ نظم کے اسلوب کو غزل کے اسلوب سے بہتر قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اردو غزل کو ''اردو شاعری کی جان کہا جائے۔'' اردو شاعری کی آبرو کہا جائے یا اردو شاعری کی روح رواں کہا جائے بقول آل احمد سرور شاعری کا مستقبل زیادہ تر غزل سے نہیں بلکہ نظم سے وابستہ ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ نظم میں جتنی وسیع اور بسیط آزادی شاعر کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ جب تک چاہے جس طرح چاہے مصرعوں کو چھوٹا بڑا کرتا رہے اور ایک ہی نظم میں ایک سے زیادہ بحریں استعمال کرے۔ غزل کے شاعر کو یہ سب آزادی نصیب نہیں۔

نظم کی ان ہی آسانیوں اور آزادی کی وجہ سے اسے دور جدید میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ نظم کی یہ آسانیاں اس عہد کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں کی زائیدہ ہیں۔ انسان جدت پسند ہے وہ یکسانیت سے اکتا بھی جاتا ہے۔ کوئی بہتر متبادل ملتا ہے تو اسے جلد قبول کر لیتا ہے۔ نظم کا وجود ہر دور میں رہا ہے لیکن اس کی چنگاریاں راکھ میں دبی ہوئی تھیں جیسے ہی تبدیلیٔ حالات کے جھونکوں نے اوپر کی راکھ اڑائی یہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو گئیں۔ ادب شناسوں پر جیسے ہی اس کے امکانات روشن ہوئے انھوں نے اسے قبولیت کا شرف بخشا۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا کہ نظم کا اصل فروغ جدید دور میں ہوا۔ ایک سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کے تحت نظم کو فروغ دینے کی شعوری کوشش ہوئی۔ محمد حسین آزاد نے کرنل ہالرائڈ کے مشورے سے جو اس وقت پنجاب کے سررشتہ تعلیم کے منتظم اعلیٰ تھے اور لاہور کے علما و فضلا کی مدد سے 21/جنوری 1865 کو محمد حسین آزاد نے لاہور میں ''انجمن پنجاب'' قائم کیا۔ کرنل ہالرائیڈ اس کے سرپرست تھے۔ انھیں کی صدارت میں پہلی بار ایک جلسہ ہوا جس میں محمد حسین آزاد نے ''نظم اور کلام موزوں کے باب میں'' کے عنوان سے ایک اہم لکچر دیا۔ پھر یہاں ماہانہ لکچر ہونے لگے۔ اس انجمن کے پروگراموں کے ذریعے آزاد نے قدیم شاعری کی کمیوں اور خامیوں کی طرف اور جدید نظمیہ شاعری کی خوبیوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی۔ جس میں مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اس مشاعرے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں مصرعہ طرح پر غزلیں پڑھنے کے بجائے مختلف موضوعات پر نظمیں پڑھی جاتیں۔ انجمن کے مشاعروں میں پڑھی گئی نظموں نے اردو شاعری کو روایتی حسن و عشق کے گورکھ دھندے سے آزاد

کرایا اور اسے نئی آب و تاب سے روشناس کرایا۔ اس تحریک نے اردو شاعری میں بنیادی تبدیلی پیدا کر دی۔ اردو نظم کی بنیادی خصوصیت یہی ہے۔

1.6 آپ نے کیا سیکھا

- لفظ نظم کے لغوی اور مجازی معنی کیا کیا ہیں یہ جانا۔
- اس کی صنفی شناخت کیا ہے اور دوسری اصناف سے یہ کیسے مختلف ہے اس کا مطالعہ کیا۔
- غزل سے اس کا موازنہ کیا گیا۔
- اس کی اقسام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی۔
- اور اس کی اہم خصوصیات کی وضاحت سامنے آئی۔

1.7 اپنا امتحان خود لیجیے

1 نظم کے لغوی معنی کیا ہیں؟
2 صنف نظم کے لئے کون سی ہیئت مخصوص ہے؟
3 کیا نظم میں قافیے کی پابندی ہوتی ہے؟
4 نظم کس زبان کا لفظ ہے؟
5 نظم نے سب سے زیادہ ترقی کس عہد میں کی؟
6 محمد حسین آزاد نے ''انجمن پنجاب'' کس کے مشورے سے قائم کی؟

1.8 سوالات کے جوابات

1 نظم کے معنی ہیں: پرونا، موتیوں کو تاگے میں پرونا، لڑی، سلک۔
2 صنف نظم کے لیے کوئی ہیئت مخصوص نہیں ہے۔
3 نظم میں قافیہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔
4 نظم عربی زبان کا لفظ ہے۔
5 نظم کا سب سے زیادہ فروغ جدید دور میں ہوا۔
6 انجمن پنجاب محمد حسین آزاد نے کرنل ہالرائیڈ کے مشورے پر قائم کیا۔

1.9 فرہنگ

لفظ	معنی
محیط	گھیرے ہوئے
زائیدہ	پیدا کیا ہوا
نواح	آس پاس
حاوی	چھایا ہوا
اساس	بنیاد
استوار	مضبوط
سلک	لڑی
سہل ممتنع	کسی شعر یا کلام کا اتنا آسان ہونا کہ اس سے آسان کہنا ممکن نہ ہو
خود مکتفی	اپنے وسائل پر گزارہ کرنے والا
ہیئت	شکل
منہا	خارج کرنا
مبسوط	پھیلا ہوا
مربوط	لگا ہوا
مستعار	مانگا ہوا
مستثنا	الگ کیا گیا
آبگینہ	شیشہ
شتابی	جلدی
بےخور وخواب	بلا کھائے بلا سوئے
بسیط	پھیلا

1.10 کتب برائے مطالعہ

1 شمیم احمد اصناف سخن اور شعری ہیئتیں انڈیا بک امپوریم، بھوپال، 1981

2 شمس الرحمٰن فاروقی شعر، غیر شعر اور نثر شب خون کتاب گھر، الٰہ آباد، 1973

3 کلیم الدین احمد اردو شاعری پر ایک نظر, حصہ دوم 1966

4 شمس الرحمٰن فاروقی درس بلاغت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2004

5 سید صفی مرتضٰی اصناف ادب کا ارتقا نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، 1981ء

6 سید احتشام حسین اردو ادب کی تنقیدی تاریخ ترقی اردو بیرو، نئی دہلی، 1983

اکائی 2 اردو نظم کا آغاز وارتقا

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد
2.2 تمہید
2.3 اردو نظم کا آغاز وارتقا
2.4 آپ نے کیا سیکھا
2.5 اپنا امتحان خود لیجیے
2.6 سوالات کے جوابات
2.7 فرہنگ
2.8 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- اردو نظم کے رجحانات ومیلانات کی واقفیت حاصل کریں گے
- نظم گو شاعروں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے
- اردو نظم کی اصناف اور موضوعات کا تعارف حاصل کریں گے
- اردو نظم کی قدر وقیمت کے بارے میں جانکاری حاصل کریں گے

2.2 تمہید

جدید اردو ادب کا خیال آتے ہی سرسید احمد خاں، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، نزیر احمد، شبلی نعمانی وغیرہ کے نام روشن حروف میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ ان تمام ادیبوں اور شاعروں نے وقت کے تقاضوں کو سمجھا اور ہوا کے رُخ کو پہچان کر اردو ادب کی باگ ڈور موڑ دی۔ جدید رنگ کا مطلب یہ نہیں کہ پرانے رنگ کا ادب ختم ہو گیا۔ سینکڑوں شاعر اور ادیب اب بھی چھوٹے چھوٹے درباروں سے وابستہ تھے اور پرانی روایتوں کی نقل کر رہے تھے۔ ان میں اسیر لکھنوی، امیر مینائی، داغ دہلوی اور جلال لکھنوی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قدیم رنگ کے بہت بڑے شاعر تھے۔ امیر مینائی کے کئی دیوان شائع ہوئے۔ داغ کے کئی دیوان منظرِ عام پر آئے۔ اسیر کے کئی دیوان چھپے۔ جلال نے دیوانوں کے علاوہ زبان کے اصولوں پر کتابیں لکھیں۔ ان حضرات کے شاگردوں میں ریاض، خلیل، نوح، بے خود وغیرہ مشہور ہوئے۔

خواجہ الطاف حسین حالی کو جدید اردو ادب کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ غدر کے بعد زمانہ بدل رہا تھا۔ انھوں نے مسدس حالی لکھی اور محمد حسین آزاد کے کہنے پر نئے ڈھنگ کی نظمیں کہیں۔ اکبر الہ آبادی کی شاعری میں جدید اور قدیم، مشرق اور مغرب کی کشمکش تھی۔ انھوں نے ہنسی ہنسی میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ محمد حسین آزاد اور حالی نے غزل کی دنیا سے نکل کر نظموں کی طرف توجہ دی۔ اس طرح مبالغہ آرائی، قافیہ پیمائی اور رسمی خیالات کم ہو گئے اور سچائی کے ساتھ دل کی باتیں کہی جانے لگیں۔ غزل رسمی چیز بن کر رہ گئی تھی لیکن شاد، حسرت، صفی، سیماب، اصغر، فانی، جگر، اثر، یگانہ وغیرہ نے اس میں نئی روح پھونک دی۔ انھوں نے غزل کی رنگینی کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں اعلیٰ خیالات، سچی دلی کیفیات اور زندگی کی حقیقتوں کو لے کر خاکے پیش کیے۔ نظم لکھنے کا جو سلسلہ آزاد، حالی، شبلی اور اکبر نے شروع کیا تھا اس نے ایک غیر معمولی شاعر محمد اقبال کو جنم دیا۔ انھوں نے فلسفہ اور شاعری، رنگینی اور سنجیدگی کو اس طرح ملایا کہ اردو شاعری کا معیار کافی بلند ہو گیا۔ اقبال نے انسان کی عظمت، آزادی اور قوت کے گیت گائے۔ درگا سہائے سرور جہاں آبادی نے جدید اردو شاعری میں اپنی منظر نگاری اور جذبات نگاری سے اضافہ کیا۔ حالی اور آزاد کے عہد سے لے کر آج تک جنھوں نے ادب تخلیق کیا وہ لوگ مغرب سے متاثر ضرور تھے لیکن انھوں نے مغربی طرز فکر، اندازِ نظر اور خیالات کو قبول نہیں کیا بلکہ ان سے فائدہ اٹھایا ہے۔

2.3 اردو نظم کا ارتقا

1857 کا واقعہ سیاسی اور اقتصادی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے دور رس نتائج ہمارے ادب اور تہذیب پر بھی پڑے۔ اردو شاعری کی اصلاح اور اس کی توسیع کا خیال اسی کا ردِّ عمل تھا۔ محمد حسین آزاد اور حالی نے نئی طرز کی شاعری کا بیڑا اٹھایا۔ جدید شاعری کی خصوصیات اور خدوخال قدیم اور کلاسیکی شاعری سے مختلف تھے۔ شاعری کے تصورات اور اسالیب میں تبدیلی آ چکی تھی۔ اب اردو شاعری میں عشق و عاشقی کے چرچوں کی گونج کم اور حسن کاری اور صنائع بدائع کی سحر آفرینی کا رجحان کمزور پڑ گیا تھا۔ یہ میلان اس لیے معدوم ہونے لگا کہ نئے شعرا اپنے اپنے خیالات سے عوام میں ذہنی بیداری کے خواہاں تھے اور سادہ و روزمرہ کی زبان میں مفاہیم ادا کر کے انھیں اس کی اہمیت کا قائل کروانا چاہتے تھے۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد سے قومیت اور وطنیت کا جذبہ بھڑک اٹھا تھا۔ مذہبی سرمائے کی فصاحت اور ثقافتی اثاثے کی حرمت کے احساس نے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اخلاقی نظمیں لکھی گئیں اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے وابستہ ہونے کی طرف لوگ متوجہ ہوئے۔ اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ اردو شاعری ایرانی اثرات سے دور اپنے وطن اور گردوپیش کے مسائل سے قریب ہو گئی۔ اردو شاعری کی ہیئت اور معنی دونوں متاثر ہوئے۔ شرر، نظم طباطبائی اور اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے بے قافیہ اور مغربی طرز کی نظمیں لکھیں۔ آزاد اور حالی نے ادب کی بعض قدیم ہیتوں میں جدید خیالات کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ حالی نے مسدس کی ادبی ہیئت میں ''مدو جزو اسلام'' پیش کیا اور قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ مسدس میں افادیت اور مقصدیت تھی اور عصری حسّیت بھی۔ محمد حسین آزاد نے انجمن

پنجاب کے جلسے میں اگست 1867 کو قدیم شاعری کی بعض کوتاہیوں کا تذکرہ کیا اور جدید شاعری سے روشناس کرایا۔انھوں نے جدید طرز کے مشاعرے بھی منعقد کرائے جس میں مصرعہ طرح کی جگہ نظم کا عنوان دیا جاتا تھا۔اس کی حیثیت اصلاحی مہم سے کم نہ تھی۔حالی نے مقدمہ شعروشاعری لکھا اس میں بھی انھوں نے اُن خامیوں کی طرف اشارہ کیا جو قدیم شاعری میں پیدا ہوگئی تھیں۔جدید شاعری کو پروان چڑھانے میں سرسید احمد خاں کا بھی بڑا دخل تھا۔ان ہی کے کہنے پر مسدس لکھی گئی تھی۔اسماعیل میرٹھی جدید رنگ کے نقش اول ہیں۔انھوں نے جدید شاعری میں شعریت کا عنصر ڈال کر اُسے دلنشیں اور خوبصورت بنادیا۔

محمد حسین آزاد کے ذہن میں اردو شاعری کی اصلاح کا خیال 1867 میں آیا جیسا کہ ''نظم آزاد'' سے ظاہر ہوتا ہے۔جلد ہی اس خیال نے ایک رجحان کی شکل اختیار کرلی۔انھوں نے روایتی شاعری کے کمزور پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے نیچرل شاعری کی وضاحت کی۔ وہ تشبیہات و استعارات، آرائش وسجاوٹ کی مصنوعی چمک دمک کے خلاف تھے۔ یہ انجمن پنجاب کے نئے ادبی میلانات کا خلاصہ تھا۔آزاد نے غزل کے مقابلے میں نظم کو ترجیح دی۔حب وطن، امن، انصاف، مروت، قناعت، وہم اور اخلاق آزاد کی یادگار نظمیں ہیں۔آزاد نے اپنی نظموں میں فطرت کے عمل کو تخیل سے ابھارنے اور ان کی صورت گری کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے اردو شاعری میں ردیف و قوافی کی پابندیوں کو محسوس کرتے ہوئے انھیں تخیل اور فطری بیان میں رکاوٹ کہا ہے۔نظم نگاری کے لیے مثنوی کی ہیت کو منتخب کیا۔

درگا سہائے سرور جہاں آبادی اردو کے ان چند شاعروں میں شامل ہیں جنھوں نے شاعری میں ہندوستانی طرز فکر، ماحول، رسم وعقائد اور اساطیر کی سچی ترجمانی کی ہے۔سرور ایک معزز کائستھ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔1873 میں پیدا ہوئے اور 1910 میں رحلت فرمائی۔وہ انگریزی، فارسی، اردو اور سنسکرت جانتے تھے۔انھوں نے انگریزی نظموں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔وہ کئی اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر بھی رہے۔وہ شاعری میں کرامت حسین بہار سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ان کی ادبی کاوشوں میں خون ناحق، نیرنگ قلق، نشتر ماتم، نالہ خوچکاں کے نام شامل ہیں۔ایک منظوم ڈرامے کے علاوہ ''محشر'' اور ''وصال'' کے نام سے دو ناول بھی لکھے۔ان کے مجموعہ کلام جام سرور اور خمخانہ سرور کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔سرور کی شناخت ان کی نظم نگاری سے ہوتی ہے۔فطری مناظر سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ مناظر قدرت پر ان کی کئی نظمیں ہیں۔ اردو میں تاریخی اور اساطیری نغموں کا آغاز بھی انھوں نے ہی کیا تھا۔سرور کی حب الوطنی اور انسان دوستی کا اندازہ ان کی نظموں سے لگایا جاسکتا ہے۔انھوں نے بعض ادبی شخصیتوں کی وفات پر مرثیے بھی لکھے۔

الطاف حسین حالی نے اپنی ابتدائی شاعری میں روایتی انداز کو اختیار کیا اور عشقیہ شاعری کے تمام لوازم کی پاسداری کی لیکن بدلے ہوئے حالات، شعور کی بالیدگی، عصری حسیت اور سرسید کی رفاقت

نے ان میں نئی زندگی کے حقائق کو منکشف کر دیا اور وہ نظم نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ سرسید کی فرمائش پر انھوں نے مسدس لکھی جس میں مسلمانوں کے اخلاقی تنزل، معاشی بدحالی اور ذہنی پستی کی تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ یہ قوم کا مرثیہ بھی ہے اور بدلے ہوئے حالات میں جینے کا سلیقہ سیکھنے اور ہمیں نیا شعور اپنانے کی دعوت بھی۔ حالی انجمن پنجاب میں منعقد ہونے والے مشاعروں سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے برکھارت، نشاط امید، حب وطن اور مناظرہ رحم وانصاف پیش کیں جو بہت سراہی گئیں۔ حالی نے اپنی نظموں کے ذریعے دردمندی، سادگی، خلوص اور بیساختگی کی اہمیت واضح کی۔ مناجات بیوہ اور چپ کی داد میں حالی نسواں طبقے کے غمگسار اور ہمدرد کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ حالی نے اپنی نظموں کے لیے چھوٹی بحروں کا استعمال کیا ہے۔ ان کی نظمیں فکر انگیز بھی ہیں اور سبق آمیز بھی۔ طرز ادا سادہ، فطری، موثر اور بے ساختہ ہے۔ مناجاتِ بیوہ میں عورت کے مختلف روپ بتاتے ہوئے اُسے محبوبہ کے علاوہ ایک ماں، ایک بہن اور ایک بیٹی بھی بتایا ہے۔ حالی اردو کے ان اولین نظم نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے مقامی رنگ کو اپنی نظموں میں جگہ دی ہے۔ مناجاتِ بیوہ بارہ ماسہ کی طرز میں لکھی گئی ہے۔ ''مسدس حالی یا مدوجزر اسلام'' حالی کا شاہکار ہے۔ اس اصلاحی نظم کو تاریخی حیثیت اور تہذیبی شعور کی دستاویز کہا جا سکتا ہے۔ اس نظم اور اسکے مقدمے نے اردو شاعری کے دھارے کو موڑ دیا۔ حالی کی نظمیں عصری حیثیت اور رچے ہوئے تہذیبی شعور کی آئینہ دار ہیں۔ الطاف حسین حالی 1837 میں پانی پت میں پیدا ہوئے اور 1914 میں رحلت فرمائی۔ وہ غالب کے چہیتے شاگردوں میں تھے اور سرسید احمد خاں کے ''عناصر خمسہ'' کا حصہ تھے۔

اسماعیل میرٹھی 1844 میں پیدا ہوئے اور 78 سال کی عمر میں 1917 میں وفات پائی۔ آبائی وطن میرٹھ تھا۔ ان کے جدامجد بابر کے ساتھ ہندستان میں وارد ہوئے۔ انھوں نے اردو نظم کو نئی شناخت دی۔ اردو کو ترجموں سے مالا مال کیا۔ بچوں کے لیے ادب لکھا۔ انھوں نے دلنشیں غزلیں بھی کہی ہیں۔ انھیں قصائد، قطعات اور رباعی وغیرہ سے بھی سروکار تھا۔ انھیں فارسی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ریاضی، طبعی علوم اور علم ہیت سے ذہنی لگاؤ تھا۔ رڑکی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ 1860 میں میرٹھ سرکل کے لیے انسپکٹر آف اسکول مقرر ہوئے۔ 1888 میں فارسی استاد کی حیثیت سے سنٹرل فارمل اسکول آگرہ میں تقرر ہو گیا اور یہیں سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ رسالہ معارف میں ان کی مشہور نظمیں شمع ہستی اور سیف وقلم کے نام سے شائع ہوئیں۔ ''صبح کی آمد'' نجم الاخبار میں چھپی۔ ان کی غزلوں میں دور جحانات نظر آتے ہیں: وارداتِ عشق کی عکاسی اور تصوفانہ اندازِ فکر۔ غزلوں کی زبان صاف اور ستھری ہے۔ ان میں نیا رچاؤ ہے اور تجربات عشق کی اچھی عکاسی ہے۔ انھوں نے قصیدے بھی لکھے ہیں جن میں مقصدی اور اصلاحی پہلو نمایاں ہیں: خدائی لشکر، جاڑا اور گرمی، اختلاف رائے، عالم شہود وغیرہ نمائندہ قصیدے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی مثنویاں بھی انھوں نے لکھی ہیں جن میں نیچرل شاعری کا اثر اور جدید لب ولہجہ نمایاں ہے۔ ان کی نظموں میں مناظرِ قدرت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے ادب کو اپنی شگفتہ، سادہ رواں اور دلچسپ تخلیقات سے

مالا مال کیا ہے۔ بچوں کے لیے جو درسی کتابیں لکھی ہیں ان میں اردو زبان کا قاعدہ، اردو کی پہلی، دوسری تیسری چوتھی اور پانچویں کتابیں شامل ہیں جن میں بچوں کے مزاج، ان کی دلچسپیوں اور معیار کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے نظمیں بھی لکھی ہیں۔ اسلم کی بلی، پن چکی، سچ کہو، ایک جگنو اور بچے کی باتیں بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

اکبر الہ آبادی 1846 میں بارہ ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے اور 1921 کو دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اکبر الہ آبادی یوپی کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ مورثِ اعلیٰ 1021 میں نیشا پور (ایران) سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے والد بنگال کے صوبے دار تھے اور جنگ پلاسی میں انگریزی فوج میں بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ انھوں نے عربی، فارسی، اردو ریاضی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ فلسفہ اور مذہب بھی ان کی دلچسپی کا موضوع بن گئے۔ فیوچر آف اسلام کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ 1866 میں مختاری کا امتحان پاس کر کے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور بعد میں عدالت خفیفہ کی ججی کے عہدہ پر مامور ہو کر 1903 میں پینشن لے کر ادب کی خدمت میں اپنا وقت گزارا۔ سنجیدہ شاعری میں اکبر کا رنگ اور طرز منفرد ہے۔ انھوں نے غزل میں اس کی روایت کی پابندی کی۔ سرسید کی انگریزی درسی مصلحت پسندی اور ان کے تہذیبی مسلک سے ذہنی ہم آہنگی نہیں رکھتے تھے۔ اکبر الہ آبادی نے نظم جدید کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ نظموں میں ان کا طرزِ فکر اور پیرائیہ بیان دونوں الگ ہیں۔ تعلیم نسواں، جلوہ دربارِ دہلی، گرمی بحث میں، انور نے اکبر سے کہا، دریا کی روانی کے موضوعات فکر انگیز اور سنجیدہ ہیں۔ 'برق کلیسا' میں مسلمانوں کی زبوں حالی، افلاس اور مذہب سے لاپرواہی و بے نیازی کو بڑے پُر درد انداز میں بیان کیا ہے۔ شاعری میں جدّت اور موضوعات میں وسعت اور عشق و عاشقی کے دائرے سے نکل آنے کے تعلق سے وہ آزاد اور حالی کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ انھوں نے شاعری کو ملک وقوم کی اصلاح کا ذریعہ سمجھا ہے۔ اخلاق، معاشرت کی بہبود بھی اس کا مقصد ہے اور اس میں سیاسی رجحانات و واقعات کو بھی جگہ ملنا چاہیے۔ انھوں نے طنز و مزاح کے پیرائے میں بہت سی ایسی اصلاحی باتیں کہہ دی ہیں جو بڑی بڑی سنجیدہ کتابوں میں بھی بیان نہیں کی جا سکتیں۔ مشرقیت سے بے پناہ محبت، روایات کے احترام اور اپنے مذہبی اثاثے کے لٹ جانے کے اندیشے نے اکبر کو محتاط اور مغرب سے گریزاں بنا دیا تھا۔ اس لیے وہ مغرب کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اکبر الفاظ کے مفہوم ہی نہیں ان سے قاری کے ذہن میں تخلیق ہونے والی فضا کا بھی شعور رکھتے تھے۔ رعایت لفظی اکبر کی شاعری میں اکثر جگہ ظریفانہ تاثر میں اضافہ کرتی ہے۔ وہ ابتدائی دور ہی سے ضلع جگت اور لفظی مناسبت کے دلدادہ تھے۔ انھوں نے اپنی نظموں، غزلوں، قطعات اور رباعیوں میں روز مرہ کی با محاورہ اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ وہ مزاحیہ شاعری کے ابلاغی امکانات سے خوب واقف تھے۔ بعض ناقدین نے اکبر کو تضمین کا بادشاہ کہا ہے۔ ان کے کلام میں تحقیر کی بھی اچھی مثالیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔

برج نارائن چکبست 1882 میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور 1926 کو رحلت فرمائی۔ ان کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے خاندان سے تھا۔ ان کے والد پٹنہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ روایتی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اسکول سے مڈل امتحان پاس کیا۔ 1900 میں میٹرک اور 1905 میں بی۔ اے کرنے کے بعد ایل۔ ایل۔ بی کیا اور وکالت شروع کر دی والد کے انتقال کے بعد تربیت لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ چکبست ایک قوم پرست اور وطن پرست شاعر تھے اور اپنے ہم وطنوں کی بہبودی اور تہذیبی اصلاح کے متمنی تھے۔ چکبست ایک اچھے نثر نگار تھے۔ ڈرامے اور خاکے بھی لکھے۔ انھیں مرثیہ نگاری کا بھی خاصہ سلیقہ تھا۔ ان کی ذہنی تربیت میں بشن نرائن در، تلک اور گوکھلے کے علاوہ مسز اینی بیسنٹ کی ہوم رول تحریک کا کافی دخل ہے وہ اس تحریک کے زبردست حامی بھی تھے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی میں بہت سے اصلاحی کام انجام دئے؛ مثلاً کشمیری ینگ مین ایسوسی ایشن اور اور بہار لائبریری کا قیام وغیرہ۔ چکبست کی بعض نظموں سے ان کے اصلاحی تصورات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مثلاً مرقع عبرت اور آب انگور جو اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ تعلیم نسواں کا مسئلہ بھی ان کی دانست میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ اردو کے ان چند شعرا میں ہیں جن کے کلام نے عوام کے سیاسی شعور کو مہمیز کیا، بیداری پیدا کی اور گرد و پیش کا احساس دلایا۔ چکبست کے اکثر مسدس انیس کی اثر پزیری کے آئینہ دار ہیں۔ ان کے مسدس زورِ بیان، بندشوں کی چستی، لفظوں کی دروبست اور سلاست و روانی کا انداز اور جذبات کی مصوری، بیان پر قدرت، فکری تہہ داری اور تخیل کی شادابی کے غماز ہیں۔ انھوں نے گرے کی نظم کا ترجمہ ''گورِ غریباں'' کے نام سے کیا ہے۔

سر محمد اقبال اردو کے چند عہد آفریں تخلیق کاروں میں ہیں۔ انھوں نے اردو شاعری کو نئی فکری جہتوں اور معنوی وسعتوں سے آشنا کرایا اور اُسے نیا مزاج و نئی شعری افق عطا کی۔ ان کی ولادت 1877 میں سیال کوٹ میں ہوئی اور 1938 میں انتقال فرمایا۔ 1899 میں فلسفہ میں ایم۔ اے اور 1907 میں میونخ یونی ورسٹی جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کیا انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری بھی حاصل کی۔ فارسی کلام کے علاوہ اقبال نے بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضرب کلیم جیسے گرانقدر شعری کارنامے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی ابتدائی شاعری میں مناظرِ قدرت و جذبات کی عکاسی اور سوز وطن سے معمور نظمیں ملتی ہیں۔ بالِ جبریل اور ضربِ کلیم تک پہنچتے پہنچتے انھوں نے فکر و احساس اور تہذیبی و سیاسی حسیت کی بہت سی منزلیں طے کر لی تھیں۔ وہ فکر انسانی اور زندگی کو ارتقا پذیر اور حرکی سمجھتے ہیں۔ اقبال کے کلام میں خودی کا تصور عینیت اور ہیگل کے نظریہ جدلیت کا وہ خوشگوار امتزاج معلوم ہوتا ہے جسے انھوں نے اسلامی فلسفے اور روایت سے تقویت پہنچا کر ایک نئی معنویت عطا کی۔ اقبال کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا غلط ہے کہ وہ اپنے آخری دور میں صرف عالم اسلام کے شاعر ہو کر رہ گئے تھے۔ ہمالیہ، تصویر درد، ترانہ ہندی اور نیا شوالہ ان کی وطن پرستی کے جذبے سے سرشار نظمیں ہیں۔ آفتاب ان کے ہندستانی تصورات، سالہا سال کی تہذیبی روایات اور ہندوستانی فلسفے کی وسعتوں سے آگہی کی دلیل ہے۔ نظم کے علاوہ

انھوں نے غزل میں بھی اعلیٰ شاعری کی ہے۔نظموں میں ہیت کے تجربے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

تلوک چند محروم 1887 کو ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے اور 1966 میں انتقال کیا۔وہ حالی، آزاد اور اسماعیل میرٹھی کے بعد اردو نظم کے نئے رجحانات کی پذیرائی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔انھوں نے غزلیں اور رباعیاں بھی کہیں اور بچوں کے ادب میں بھی دلچسپی لی لیکن نظم گوئی کی وجہ سے شناخت قائم ہے۔انھوں نے تدریسی کے فرائض بھی انجام دیئے۔تحریک آزادی سے وابستگی کا ثبوت ان کی نظموں سے ملتا ہے۔لاہور سے راولپنڈی تبادلہ کر کے یہاں چھاونی بورڈ اسکول میں ماسٹر ہو گئے۔ تقسیم ہند کے بعد جالندھر ہوتے ہوئے اپنے فرزند جگن ناتھ آزاد کے پاس دہلی آ گئے۔اخبار تیج سے وابستہ رہے۔کچھ دن دہلی میں لیکچرار بھی رہے۔گنج معانی، رباعیات محروم، کاروانِ وطن، بہار طفلی، شعلہ نوا، نیرنگ معانی اور بچوں کی دنیا محروم کی ادبی یادگاریں ہیں۔محروم کی خاصی تعداد میں ایسی نظمیں ہیں جو فطرت کے دلفریب جلوؤں اور اس کے حسین و رنگین مناظر کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کا اسلوب بڑا پرزور اور اثر انگیز ہے۔دردمندی اور خستگی ان کے کلام میں اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ وہ اپنی نظموں میں برطانوی سامراج کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتے رہے۔رباعیات محروم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ فراق، جوش اور انیس کی طرح ان میں بھی رباعی گوئی کی اچھی صلاحتیں موجود تھیں۔محروم کی ابتدائی غزلوں میں داغ کا رنگ سخن جھلکتا ہے۔انھوں نے رعایت لفظی سے بھی اپنی غزلوں کو آراستہ کیا ہے۔غزلوں کے اعتبار سے محروم جدید اور قدیم کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔محروم کی شاعری میں بڑی ہمہ رنگی اور موضوعات کے اعتبار سے بوقلمونی ہے۔

نواب مرزا خاں داغ دہلوی 1831 میں محلّہ چاندنی چوک دہلی میں پیدا ہوئے اور 1905 میں حیدرآباد میں وفات پائی۔والد کا سایہ بچپن میں اٹھ جانے کے بعد ان کی والدہ نے صاحبِ عالم مرزا محمد سلطان بہادر کے محل شاہی میں پناہ لی۔1857 میں دہلی سے رامپور پہنچے وہاں کے حالات ساز گار نہ ہونے پر انھوں نے امرت سر، اجمیر، آگرہ، علی گڑھ، متھر ا اور جے پور کا سفر کیا اور پھر وہاں سے 1888 میں حیدرآباد پہنچے۔جہاں انھوں نے آسودہ زندگی بسر کی۔مختلف خطابات سے بھی نوازے گئے۔ان کے دیوان ''گلزارِ داغ'' اور ''ماہتابِ داغ'' ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔انھوں نے مثنوی ''فریاد داغ'' قصائد اور رباعیات بھی یادگار چھوڑی ہیں۔داغ کی شاعری غنائیہ اور نشاطیہ شاعری ہے اور ان کے تغزل کی اہم خصوصیات اور مقبولیت کا راز ہے۔وہ ذہنی طور پر جرأت اور مومن کے قریب ہیں۔ان کی پرورش قلعہ معلیٰ میں ہوئی تھی جہاں عیش ونشاط اور راگ و رنگ کی محفلیں سجی تھیں۔باہر بھی حسن و نغمے برس رہے تھے۔داغ کے عنفوان شباب کی نفسیات اسی ماحول کی رہینِ منّت تھی اور یہی فضا ان کی غزلوں کا موضوع اور شخصیت کا جزو بن گئی۔اس ماحول

نے داغ کے تغزل کو مختلف زاویوں سے متاثر کیا ہے۔ داغ کی عیش پسندی اور حسن پرستی نے اخلاقی قدروں کو ٹھیس پہنچائی ہو لیکن اس سے ان کی عشقیہ اور لمسی شاعری نے آب و رنگ بہر حال حاصل کیا ہے۔ ان کا تغزل منفرد بھی ہے اور شگفتہ بھی۔ مخصوص لب و لہجہ، محاوروں کا برجستہ استعمال، الفاظ کے نفیس دروبست ان کی غزلوں کو پر کیف و پر اثر بناتے ہیں۔ ذوق کی رہنمائی میں انھوں نے الفاظ کو پرکھنے کا ہنر سیکھا۔ قلعہ معلیٰ کی ٹکسالی زبان نے داغ کو خوبصورت پیکروں کی تخلیق پر اکسایا تھا۔ داغ کے اسلوب نے غزل کی زبان کو سادگی سلاست عطا کی اور اسے عام فہم اور شیریں بنایا۔ داغ کی شاعری ایک طرح سے زبان اور محاورے کی شاعری ہے۔ زبان کے چٹخارے اور محاوروں کی موزونیت کے ساتھ برتنے کا انداز داغ کی غزلوں کو چمکاتا ہے۔ ان کی غزلوں میں حسن ہر جگہ مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ داغ کے کلام میں ایک انبساطی کیفیت اور رجائیت جاری و ساری نظر آتی ہے اور یہی داغ کے تغزل کی شناخت ہے۔

ریاض خیر آبادی اس اعتبار سے اردو کے منفرد شاعر ہیں کہ انھوں نے خمریات کو اپنے فن کا موضوع بنایا۔ وہ سیتا پور میں 1853 میں پیدا ہوئے اور 1934 میں وفات پائی۔ انھوں نے خیر آباد سے ''ریاض الاخبار'' نکالا۔ انھیں صحافت سے دلچسپی تھی پھر گورکھ پور کو اپنی صحافتی کوششوں کا مرکز بنایا۔ یہاں انھوں نے پولس کی ملازمت بھی کی۔ انھوں نے رینالڈ کے ناولوں کا ترجمہ بھی کیا۔ 1907 میں وہ لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں انھوں نے اصلاح سخن کے نام سے ایک انجمن بھی قائم کی۔ انھوں نے دیوانِ غالب کو اپنا رہنما بنایا تھا لیکن حقیقت میں غالب کی مشکل پسندی، معنی آفرینی، فکر کی تہہ داری اور ان کی کائناتی بصیرت کا احاطہ کرنا ریاض کے بس کی بات نہیں تھی۔ ریاض نے پہلے آشفتہ تخلص اختیار کیا تھا۔ خمریات کے شاعر ہونے کی وجہ سے ان کی شاعری شراب کے لوازمات، مئے نوشی کی کیفیات اور اس کی مناسبات و متعلقات کے گرد گھومتی ہے۔ زندگی کے متعلق ان کا فلسفہ یہ ہے کہ حال ہی سب کچھ ہے۔ ماضی بیت گیا اور مستقبل کے بارے میں ہمارے اندازے ہمیشہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ ان کے اشعار میں بدمستی، رندانہ طور طریق اور کیف و سرور میں کھو جانے کا رجحان نمایاں ہے۔ انھیں شراب اور شباب میں ایک ازلی اور ابدی رابطہ نظر آتا ہے۔ ریاض خیر آبادی کے کلام میں عشقیہ تجربات، محبت کی کسک اور وارداتِ عشق کی ترجمانی کرنے والے ایسے متعدد اشعار ملیں گے جو اردو کی غزلیہ شاعری کے سرمایہ میں اضافہ ہیں۔

حسرت موہانی 1881 میں ضلع اناؤ کے قصبہ موہان میں پیدا ہوئے اور 1951 میں وفات پائی۔ سید فضل الحسن حسرت کے آبا و اجداد نیشا پور (ایران) سے ہندوستان آئے تھے۔ حسرت نے علی

گڑھ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اسٹوڈینٹ یونین کے سیکریٹری رہ چکے تھے۔ انھوں نے اپنی حریت پسندی کی وجہ سے قید کی صعوبتیں اٹھائی تھیں۔ اردوئے معلیٰ جاری کیا۔ کانگریس سے وابستہ رہے۔ جمیعت العلما کے بانیوں میں سے تھے۔ دستور ساز اسمبلی اور پارلیمنٹ کے رکن رہے۔ وہ سچے نیشنلسٹ تھے۔ مسلم لیگ سے بھی وابستہ رہے اور اشتراکیت سے بھی اثر قبول کیا۔ ان کی شاعری نشاط وسرور کا پیکر ہے۔ ان کی غزلیں روایتی انداز کے تسلسل کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ایک جدیدیت، نیاپن اور تازگی رکھتی ہیں۔ ان کے یہاں مومن کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ ان میں اردو شاعری کو پرکھنے کی تنقیدی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان کے کلام میں لکھنؤ اور دہلی کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔ ان کے یہاں محبوب کا تصور مادی اور عارضی ہے۔ ان کی شاعری کا قابلِ لحاظ حصہ عشق و عاشقی کی حرف و حکایات پر مبنی ہے۔ نکات سخن میں انھوں نے اچھی شاعری کے معیاروں سے بحث کی ہے۔ حسرت کے کلام میں فلسفیانہ موشگافیاں کم ملتی ہیں۔ انھوں نے اچھے نقاد ہونے کا ثبوت نکاتِ سخن کے علاوہ محاسن سخن اور معائب سخن میں دیا ہے۔ اردوئے معلیٰ کی تحریریں بھی شعری ذوق کی تربیت میں رہنمائی کرتی ہیں۔

فانی بدایونی 1879 میں اسلام نگر ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے اور 1941 میں رحلت فرمائی۔ فانی کی شاعری اثر انگیز، الم پسند اور منفرد لب و لہجے کی شاعری ہے۔ انھوں نے 1901 میں بی۔ اے کیا وزیر آباد اور اٹاوہ کے ہائی اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا اور سب ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول بھی مقرر ہوئے۔ 1915 میں علی گڑھ سے ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کر کے لکھنؤ میں وکالت شروع کر دی۔ والدین کے انتقال کے بعد لکھنؤ سے بدایوں واپس آ گئے۔ پھر اٹاوہ میں وکالت شروع کی۔ آگرہ کا بھی سفر کیا۔ حیدر آباد بھی گئے۔ وہاں سے واپس آگرہ آ کر مانی جائیسی اور مخمور اکبر آبادی کے تعاون سے ''نسیم'' رسالہ شروع کیا جو تین برس بعد 1933 میں بند ہو گیا۔ تمام عمر پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ ان کے دو فرزند سعادت علی خاں اور وجاہت علی خاں تھے۔ ان کے کلام کے چار مجموعہ شائع ہوئے جو اس طرح ہیں دیوان فانی، باقیات فانی، عرفانیاتِ فانی اور وجدانیات فانی۔ فانی بدایونی نے اپنے کلام سے حیات عشق اور زندگی غم کو نئے آداب سکھائے اور جذبات الم کو نئی زبان اور اظہار کا اچھوتا انداز عطا کیا۔ فانی کو شہرت کم ملی اور قدر بہت۔ ان کی پوری شاعری اور زندگی پر ایک پرسوز اور رقت انگیز کیفیت چھائی ہوئی ملتی ہے۔ زخم خوردگی کا ایک بے پناہ

احساس ملتا ہے۔ انھوں نے حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن سے تقریر میں اپنے تصور شعر پر روشنی ڈالی جس میں انھوں نے شعریت کو شاعری کی پہلی اور آخری شرط قرار دیا ہے۔ فانی کی زندگی میں حسرت و یاس نے مستقل جگہ بنالی تھی۔ موت نے ان کے گھر کو اپنا ہدف قرار دیا تھا۔ والد، والدہ، بیٹی، رفیقۂ حیات اور محبوبہ کا غم ایسا نہ تھا جو وقتی صدمہ ثابت ہوتا۔ انھوں نے اپنے کو پرستار شب ہجر اور اپنی زندگی کو الم جاں گداز، داستانِ غم، شب انتظار اور وجود درد سے تعبیر کیا ہے۔ زندگی غم سے عبارت ہے اور اسی کی بدولت جہات کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ فانی کے یہاں غم چار مختلف صورتوں میں رو نما ہوا ہے۔ غمِ جاناں، غمِ دوراں، غمِ ہستی اور غریب الوطنی کا غم۔ ان کے اندازِ ترسیل کا ایک وصف ڈرامائیت بھی ہے۔ جیسے ان کی حرکی اور بصری امیجری نے تقویت دی ہے۔ اردو غزل فانی کی تاثیر و تعبیر اور حیرت انگیز روانی و چستی، بے ساختگی اور احساس کی شدت و گہرائی کو یاد رکھے گی۔

رگھو پتی سہائے فراق گورکھپوری 1896 کو گورکھپور میں پیدا ہوئے اور وفات 1983 میں ہوئی۔ وہ اپنی ابتدائی تعلیم کے بعد الٰہ آباد چلے آئے اور میور سنٹرل کالج سے بی۔ اے کیا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد جدو جہد آزادی میں شریک ہوئے اور جیل بھی گئے۔ آگرہ جیل میں شعر و ادب کے دلدادہ قیدیوں نے ایک طرحی مشاعرہ منعقد کیا وہاں فراق نے بھی غزل پڑھی۔ وہ اپنی شاعری سے خوش نہیں تھے جس کا اظہار اپنی نظم ہنڈولہ میں کیا ہے۔ 1930 میں انگریزی سے ایم۔ اے کیا اور الہ آباد یونی ورسٹی میں ملازمت کی۔ کئی ایوارڈ سے نوازے گئے ان میں گیان پیٹھ ایوارڈ بھی شامل ہے۔ فراق ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے نظم، غزل اور رباعی میں اپنے فکر و فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ نثر میں تاثراتی تنقید کے منفرد نقاد تصور کیے جاتے ہیں۔ انھیں مضمون نگاری، مکتوب نگاری اور افسانہ نگاری سے بھی دلچسپی تھی۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں عشق کا رشتہ زندگی کے دوسرے معرکوں اور دلچسپیوں سے استوار کیا۔ وہ اردو کے کلاسیکی شعرا سے کافی متاثر تھے۔ انھوں نے انگریزی ادب اور بالخصوص رومانی دور کے شعرا سے حیات و کائنات کی ہم آہنگی کا ادراک حاصل کیا۔ ہندی شاعری کے توسط سے فراق ہندوستانی معاشرے کے جوہر پاروں سے روشناس ہوئے۔ وہ عارضی حسن اور مادی تجربات عشق کے شاعر ہیں۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ ہر دور کا ادبی مزاج، نئے تلازموں، نئے استعاروں اور نئی پیکر تراشی کا متلاشی ہوتا ہے۔ فراق کے خوبصورت تخیل، ان کا جمالیاتی حسن، مقامیت اور ہندی و سنسکرت ادب کے فیضان نے ان کی تشبیہوں کو نکھارا ہے۔ انھوں نے محبوب کے سراپے، اس کے حسن کی دلآویز تصویروں اور اس کے شباب کی سحر

ترازیوں کو شعر کے پیکر میں سمو دیا ہے۔فراق کی برجستہ اور دلآویز تشبیہات ،استعارات اور خوبصورت سمعی اور بصری پیکروں نے ان کی رباعیوں کو دلنشیں بنا دیا ہے۔ان کی رباعیوں میں سنسکرت کے سنگار رس اور ہندی کے ریتی کال کی شاعری کے عناصر ہم آمیز ہو گئے ہیں۔روپ فراق کی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔

جگر مرادآبادی کی پیدائش بنارس میں 1890 میں ہوئی اور 1960 میں وفات پائی۔انھوں نے غزل کو سنوارا اور نکھارا۔وہ مجسم غزل تھے۔بیسویں صدی میں جب غزل پر تہمتیں لگائی جارہی تھیں اور اس کی آبرو خطرے میں تھی۔حسرت، فانی اور اصغر کے ساتھ جگر نے بھی اُسے حیات نو عطا کی اور اس کا احیا کیا۔جگر کا خاندان دہلی سے ہجرت کر کے مرادآباد میں آباد ہو گیا تھا۔لکھنؤ کے پبلک اسکول میں تعلیم پائی تھی۔نویں جماعت میں دو مرتبہ فیل ہوئے۔عربی و فارسی میں استعداد پیدا کر لی تھی۔چناچہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔پہلی رفیقہ حیات سے علاحدگی کے بعد نسیم سے دوبارہ عقد کیا۔شراب نوشی سے توبہ کر کے صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے۔حج بھی کیا۔انھیں پدم بھوشن کا خطاب بھی ملا۔مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا ہوئی۔''آتشِ گل'' پر ساہتیہ اکادمی سے پانچ ہزار کا انعام بھی ملا۔جگر کے اساتذہ میں داغ دہلوی اور نسیم لکھنوی کے نام لیے جاتے ہیں۔جگر حسن و عشق کے نغمے گانے والے شاعر ہیں۔ان کے نزدیک زندگی کا سب سے خوبصورت محرک اور سب سے عظیم حقیقت جمال ہے۔جگر کی عشقیہ شاعری میں سرمستی، سربلندی، بیزاری اور رجائیت کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔آتشِ گل جگر کے ذہنی انقلاب کی ترجمان ہے لیکن یہ انقلابی شاعری نہیں بلکہ انسانیت سے بے پناہ محبت اور اس کی توجہ کی طرف منسلک ہے۔داغ جگر اور شعلہ طور سب میں فکر و احساس کی بہت سی منزلوں کے نشان ملتے ہیں اور ہر منزل پر احترام انسانیت ہے۔جگر نے غزل کی محبت میں نظم نگاروں کو 'ناظم' کہا تھا لیکن انھوں نے 'سوراج'، گاندھی جی، تلک اور مولانا محمد علی جوہر پر اچھی نظمیں کہی ہیں۔جگر کے بعض اشعار داغ کے تغزل کے قریب نظر آتے ہیں۔لیکن جگر اور داغ کے فکر و احساس کی سطح اور ان کے میلانات میں خاصا اختلاف ہے۔جگر کے کلام میں خوبصورت تلازموں اور ترسیل کے دلنواز پیکروں اور اچھوتی اور خوبصورت ترکیبوں کی کمی نہیں۔جگر کا تغزل اپنے کیف، جمالیاتی رچاؤ اور نکھار کی وجہ سے ان کی پہچان بن گیا ہے۔

شبیر حسین خاں جوش ملیح آبادی 1898 میں پیدا ہوئے اور 1982 میں وفات پائی۔بیسویں صدی

میں جدید اردو نظم پر دیرپا اثرات مرتب کرنے والوں میں اقبال کے بعد جوش کا نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے کلاسیکی شاعری کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس کی توسیع بھی کی۔ وہ شاعر فطرت اور شاعر انقلاب کہلاتے ہیں۔ نو برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ گھر کا ماحول شعر و ادب کے چرچوں سے معمور تھا۔ انھوں نے شروع میں غزلیں کہیں تھیں جو اپنا رنگ نہ جما سکیں۔ تلاش روزگار کے سلسلے میں حیدرآباد کا قصد کیا اور دارالترجمہ سے منسلک ہو گئے۔ کئی ترجمے بھی کیے۔ ترکِ حیدرآباد کے بعد دہلی سے رسالہ ''کلیم'' جاری کیا۔ فلموں میں گیت لکھے اور سرکاری رسالہ 'آجکل' میں مدیر اعلیٰ کے طور پر کام کیا۔ جوش ملیح آبادی 1956 میں پاکستان چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ جوش کی شاعری خاصے طویل عرصے پر محیط ہے۔ اس دوران اردو شاعری نے مختلف رجحانات کو اپنایا۔ کلاسیکیت سے دور ہوتے عناصر کے بعد رومانیت اور ترقی پسند میلانات اردو ادب سے روشناس ہوئے۔ ان تینوں باتوں کا عکس جوش کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی کلام میں کلاسیکی اقدار کی پائیداری ہے۔ مغرب کی رومانی تحریک کی پرچھائیاں جب ہندوستانی ادب پر پڑنے لگیں تو جوش نے بھی اس سے اثر قبول کیا۔ انسان اور فطرت کے ربط کو ایک مخصوص زاویے سے دیکھنے کی کوشش کی۔ انھیں منظر نگاری پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ نئی تشبیہات، اچھوتے استعاروں اور تلازموں کی معنویت، جدید اور پراثر ترکیبیں، الفاظ کی مزاج شناسی اور حروف و اصوات سے بنائے ہوئے نقوش جوش کی تصویروں کو متحرک بنا دیتے ہیں۔ جوش کی بہت سی نظمیں اردو کی منظریہ شاعری کا بہترین نمونہ ہیں۔ جوش کو زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ وہ الفاظ و اصوات کی صوتی قدر و قیمت کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی اسی صلاحیت کی بدولت فضا آفرینی میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کے مرکبات میں تہہ داری موجود ہے۔ جوش کی نظموں میں طنز کی کاٹ بہت تیز ہے جس کے پیچھے وطن پرستی اور حریت پسندی کا جذبہ کارفرما ہے۔ ان کا دل حب الوطنی سے معمور ہے۔ ان کی نظموں نے جنگ آزادی میں صور اسرافیل کا کام کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام اور نظام نو اور انسانیت کا کورس نظموں میں ان کی انقلابیت اور رومانی شخصیت ایک نقطے پر مرکوز ہو گئی ہے۔ جوش کے طرزِ دامن میں صنعت تکرار اور تنسیق الصفات کا بے مثل صرف ہوا ہے۔ اس سلسلے میں شعلہ و شبنم، حرف و حکایت، جنوں و حکمت، فکر و نشاط، عرش و فرش، الہام و افکار وغیرہ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوش نے بے تکان شاعری کی ہے۔ انھوں نے رباعیاں بھی کہی ہیں اور مرثیہ بھی لکھے ہیں۔ آوازِ حق، حسین اور انقلاب اور مجرد مرثیے ان کے مخصوص نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں۔ جوش

نے آزادی کی جدو جہد کو معرکہ کربلا سے نسبت دے کر انقلابی تصورات اور تحریک آزادی کو مہمیز کرنے کی کوشش کی ہے۔ جوش کے نثر کے نمونے 'روح ادب' کے حصہ نثر میں ان کے انشائیوں کی شکل میں شامل ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین کو 'اشارات' کے نام سے شائع کیا ہے۔

2.4 آپ نے کیا سیکھا

- اردو نظم کے رجحانات ومیلانات کا پتہ لگایا۔
- اردو کے اہم نظم گو شاعروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- اردو نظم کی اصناف اور موضوعات کا جائزہ لیا۔
- اردو نظم کی قدر و قیمت متعین کی۔

2.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1 اردو کے اہم نظم گو شاعروں کے نام بتائیے؟

2 اس عہد میں اردو شاعری کی کس صنف پر خصوصی توجہ دی گئی؟

3 اس عہد کے کلاسیکی شاعری کے کون علمبردار تھے؟

4 اس عہد میں قصیدہ نگاری کے زوال کی وجہ کیا تھی؟

2.6 سوالات کے جوابات

1 اردو کے اہم نظم گو شاعر یہ ہیں:

محمد حسین آزاد، سرور جہاں آبادی، الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی، برج نارائن چکبست، شاد عظیم آبادی، سر محمد اقبال، تلوک چند محروم، مرزا داغ دہلوی، ریاض خیر آبادی، حسرت موہانی، فانی بدایونی، اور جوش ملیح آبادی وغیرہ۔

2 اس عہد میں نظم کا ارتقا ہوا۔ محمد حسین آزاد، حالی، اسماعیل میرٹھی اس کے بانیوں میں تھے جنھوں نے نظیر اکبر آبادی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اقبال، اکبر الہ آبادی، چکبست اور جوش نے اپنی شاعری سے اس صنف کو عظمت بخشی۔

3 اس عہد کی کلاسیکی شاعری کے علمبرداروں میں فانی، جگر، حسرت اور داغ دہلوی تھے۔

جنھوں نے غزل کی آبرو رکھی اور جدید و قدیم رنگ کو اپنی غزلوں میں سمویا۔ ریاض خیر آبادی نے بھی اپنی خمریات سے ایک نئے موضوع کا غزل میں اضافہ کیا۔

4 قصیدہ نگاری کے زوال کی وجہ بادشاہت کا خاتمہ تھا۔ نوابیت اور برطانیہ کے صاحبِ اقتدار لوگوں کی شان میں چند قصیدے ضرور کہے گئے جن کی حیثیت واجبی سی تھی۔ یہ فن سودا، ذوق اور غالب کے بعد زوال پذیر رہا اور جدید شاعری کے دور میں اس صنف نے دم توڑ دیا۔

2.7 فرہنگ

لفظ	معنی
بانی	شروع کرنے والا
وابستہ	جڑا ہوا
قدیم	پرانا
جدامجد	آباواجداد
جدید	نیا
ولادت	پیدائش
رحلت	وفات
اہم	خاص
آشنا	جان پہچان

2.8 کتب برائے مطالعہ

1 تاریخ ادب اردو جمیل جالبی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1989

2 تاریخ ادب اردو سیدہ جعفر بی ایس گرافکس، دلسکھ نگر، حیدرآباد، 2002

3 اردو ادب کی تنقیدی تاریخ سید احتشام حسین قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2009

اکائی 3 اردو نظم کا تہذیبی و سماجی پسِ منظر

ساخت

3.1 اغراض و مقاصد

3.2 تمہید

3.3 اردو نظم کا تہذیبی و سماجی پس منظر

3.4 آپ نے کیا سیکھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

3.6 سوالات کے جوابات

3.7 فرہنگ

3.8 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ

- لفظ 'پس منظر' کے معنی و مفہوم سے واقف ہوں گے
- اردو نظم کے آغاز و ارتقا کے سماجی اور تہذیبی پس منظر سے آگاہ ہوں گے
- ان اسباب و علل کا مطالعہ کریں گے جن کی بدولت اردو نظم وجود میں آئی اور ترقی کی راہ پر آگے بڑھی
- ان محرکات کی جانکاری لیں گے جن کی وجہ سے اردو نظم کے خط و خال ابھرے
- ان سرگرمیوں سے واقف ہوں گے جن سے اردو نظم نگاری کو طاقت ملی اور اس کا فروغ ممکن ہو سکا
- ان انجمنوں اور اداروں سے آگاہ ہوں گے جنھوں نے اردو نظم نگاری کے ارتقا میں اہم کردار نبھایا
- ان ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کا تعارف حاصل کریں گے جنھوں نے اردو نظم کو فروغ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
- ان عناصر کا تجزیہ کریں گے جو کسی مخصوص تہذیبی اور سماجی پس منظر میں رنگ بھرتے ہیں اور جس رنگ سے تخلیقی صورتیں روشن ہوتی ہیں

3.2 تمہید

اردو نظم کے تہذیبی اور سماجی پس منظر کو دیکھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ پس منظر ہوتا کیا ہے؟ اور یہ بھی کہ اردو نظم سے کیا مراد ہے؟

پس منظر کے لفظی معنی ہیں پچھلے وجوہ کا ظہور، پچھلا ماحول، پیچھے کا منظر، بیک گراؤنڈ۔ مراد یہ کہ پس منظر کا مفہوم ہے وہ منظر جو کسی منظر کے پیچھے یا بیک گراؤنڈ میں ہوتا ہے۔ یعنی بیک گراؤنڈ میں دکھائی دینے والے وہ نظارے جو کسی سامنے کے نظارے کے رنگ کو روشن، گاڑھا یا مدھم کرتے ہیں، جن کے سبب سامنے نظر آنے والے منظر کے وجود کے خط وخال کی معنویت ابھرتے ہیں۔ پیچھے کے منظر کا سامنے کے منظر کو بنانے اور چمکانے میں بہت اہم رول ہوتا ہے۔ پس منظر کے معنی سمجھ لینے کے بعد اب یہ سمجھنا بھی یہاں ضروری ہے کہ ''اردو نظم'' سے کیا مراد ہے؟ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اردو میں نظم کئی حیثیتوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً ہر وہ شاعری جو نثر کے مدِمقابل بنے اور جس پر کلامِ موزوں ہونے کا اطلاق ہوتا ہے یا جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہے اصطلاح میں نظم کہلاتی ہے۔ اس تعریف یا مفہوم کے اعتبار سے نظم کے دائرے میں قصیدہ، غزل، مثنوی، مرثیہ، رباعی، قطعہ وغیرہ سبھی شعری اصناف آجاتی ہیں۔ مگر اردو میں نظم ایک مخصوص صنف کے طور پر بھی مستعمل ہے جس سے مراد صرف وہ نظم ہے جس میں کسی واقعہ، تجربہ یا خیال کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور جس کے تمام اشعار ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور کسی بنیادی موضوع کا ارتقائی سلسلہ نظم کے آخر تک جاری رہتا ہے اور جس میں مثنوی اور قصیدے کی طرح کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی۔ اس طرح کی نظم کو غزل کی ضد کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ضد کے طور پر اس لیے کہ غزل کا ہر شعر ایک اکائی اور اپنے آپ میں مکمل اور ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نظم کے تمام اشعار ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔

ایسی نظم اردو میں کب ایجاد ہوئی؟ اس کا پس منظر کیا تھا؟ کس طرح اس کا فروغ ہوا؟ کن صورتِ حال میں پروان چڑھی؟ ان سوالوں کا جواب جاننے کے لیے ہم اردو شاعری کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں تاریخ کے تین موڑ پر اس طرح کی نظموں کے نمونے ملتے ہیں۔ پہلا موڑ دکن میں دکھائی دیتا ہے جہاں قلی قطب شاہ اور ملا وجہی وغیرہ کے یہاں نظم کے نمونے نظر آتے ہیں۔ دوسرا موڑ نظیر اکبرآبادی کا کلام ہے جس میں اس طرح کی نظموں کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں اور تیسرا موڑ 1857 کے بعد کا عہد ہے جہاں محمد حسین آزاد اور حالی وغیرہ کی کوششوں سے اس زمانے میں منعقد ہونے والے مشاعروں اور شاعروں کے دیوان میں اس طرح کی نظمیں دکھائی دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں موڑ تین الگ الگ زمانوں کے ہیں اس لیے ان تینوں کا تہذیبی اور تاریخی پس منظر ایک نہیں ہوسکتا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اردو نظم کے ابتدائی نمونے دکن میں قلی قطب شاہ اور ملا وجہی وغیرہ کے یہاں ملتے ہیں مگر ان کے شعری دیوان میں موجود ایسی نظموں کے نمونوں کا کوئی الگ سے تہذیبی وسماجی

پس منظر نہیں ہے۔ اگر اس کا کوئی پس منظر یا محرک ہوسکتا ہے تو بس یہ کہ ان شاعروں نے غزل کے علاوہ بھی کچھ لکھا۔ انھوں نے منہ کا مزہ بدلنے کے لیے اس طرح کی کچھ نظمیں بھی کہہ دیں۔ ان نظموں کا کوئی مخصوص محرک نہیں تھا۔ اسی طرح نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری کا بھی کوئی اس طرح کا تہذیبی و سماجی پس منظر نہیں جیسا کہ 1857 کے زمانے میں لکھی گئیں نظموں کا تہذیبی و سماجی پس منظر نظر آتا ہے۔

پس یہ واضح ہوا کہ اردو نظم سے یہاں مراد وہ نظم ہے جو 1857 کے آس پاس محمد حسین آزاد اور حالی کے زیر نگرانی چلنے والی جدید شاعری کی تحریک کے زیر اثر لکھی گئی جس کا ایک مخصوص تہذیبی و سماجی پس منظر موجود ہے۔

3.3 اردو نظم کا تہذیبی و سماجی پس منظر

1857 کا سال اردو ادب کی تاریخ میں ایک انقلابی سال کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں سے نہ صرف ہندوستان میں سماجی اور تہذیبی سطح پر اُتھل پتھل ہوتی ہے بلکہ اردو ادب خصوصاً اردو شاعری میں بھی ایک انقلاب برپا ہوتا ہے اور اردو شعر و ادب کی تاریخ میں ایک زبردست تبدیلی واقع ہوجاتی ہے۔ جو موجود تھا وہ معدوم ہونے لگتا ہے اور جو موجود نہیں تھا اس کا داخلہ شروع ہوجاتا ہے۔

انگریز اپنی انگریزیت سے لیس ہوکر ہندوستان آتے ہیں اور اس ملک پر ان کا تسلُّط قایم ہوجاتا ہے۔ ان کی آمد کے اثرات ہندوستان کی سیاسی، تاریخی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی سبھی پہلوؤں پر مرتسم ہوتے ہیں اور یہاں کی تہذیب و تمدن اور سیاست و معاشرت کی صورتیں بدلنے لگتی ہیں۔ صورتوں کو بدلنے میں انگریزوں کے ارادے کا دخل تو تھا ہی ان کی مغربی تہذیب کی چکاچوندھ بھی نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ کچھ لوگ انگریزی تہذیب کی اندھی تقلید کررہے تھے اور کچھ لوگ اس کے مضر اثرات سے خوف زدہ تھے۔ لیکن جو حقیقت سامنے تھی اس سے مفر نہیں تھا۔ انگریز جو سائنسی برکات اپنے ساتھ لے آئے تھے ان میں اتنی تیز روشنی تھی کہ ہندوستان کا ایک بہت بڑا طبقہ اس روشنی کو اپنی آنکھوں میں اتارنے لگا تھا اور جو راستہ آگے جانے کا اس روشنی میں نظر آرہا تھا اس پر وہ تیزی سے گامزن ہورہا تھا۔ دوسرا طبقہ مشرقی تہذیب و ثقافت کو انگریزی تہذیب کے مضر اثرات سے بچانے اور اپنی تہذیبی قدروں کو بحال کرنے میں جٹا ہوا تھا جہاں مختلف علوم و فنون اور مختلف ثقافتی عناصر ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور ہندوستانی معاشرے کے دوسرے امور کو متاثر کررہے تھے وہیں ہندوستانی زبانوں کے شعر و ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کررہے تھے۔ یہ اثرات اردو زبان کے ادب خصوصاً

شاعری پر بھی مرتب ہوئے اور یہ اثرات اتنی تیزی سے مرتب ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے اردو شاعری میں ایک انقلاب آ گیا۔ مگر یہ انقلاب یوں ہی نہیں آیا۔ اس تغیر کے پیچھے کئی محرکات و عوامل کارفرما رہے۔

ایک بنیادی محرک تو وہ خواہش تھی جو اس دور کے ایک ادیب و شاعر محمد حسین آزاد کے دل میں پیدا ہوئی۔ ان کی اس خواہش کے پیدا ہونے کا سبب وہ شعری پس منظر تھا جو اردو شعر و سخن کے آسمان پر کالی گھٹا کی طرح چھایا ہوا تھا۔ یہ وہ گھٹا تھی جو اردو شاعری کو تاریکی میں ڈھکیلتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے بہت سے دل و دماغ گھٹن محسوس کر رہے تھے۔ اور محمد حسین آزاد ہی کی طرح اس گھٹن سے نجات بھی پانا چاہ رہے تھے۔ یہاں جس شعری سیاہ گھٹا کا ذکر ہو رہا ہے اس کی تفصیل محمد حسین آزاد کے اس خطبے میں بھی موجود ہے جسے انھوں نے انجمن پنجاب کے پہلے اجلاس میں پیش کیا تھا۔ اس خطبے میں انھوں نے فرمایا تھا:

> ''درحقیقت ایسے کلام کو شعر کہنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ شعر سے وہ کلام مراد ہے جو جوش و خروش خیالاتِ سنجیدہ سے پیدا ہو اور اسے قوتِ قدسیہ الٰہی سے ایک سلسلہ خاص ہو۔ خیالاتِ پاک جوں جوں بلند ہوتے جاتے ہیں، مرتبۂ شاعری کو پہنچ جاتے ہیں۔ ابتدا میں شعر کو ئی حکماء اور علمائے متبحر کے کمالات میں شمار ہوتی تھی اور ان کی تصانیف میں اور حال کی تصانیف میں فرق بھی زمین و آسمان کا ہے۔ البتہ فصاحت و بلاغت اب زیادہ ہے مگر خیالات خراب ہو گئے۔ سبب اس کا سلاطین و حکام عصر کی قباحت ہے۔ انھوں نے جن جن چیزوں کی قدر دانی کی لوگ اس میں ترقی کرتے گئے ورنہ اسی نظم شعر میں شعرائے اہل کمال نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن کی بنا فقط پند و موعظت پر ہے اور ان سے ہدایت ظاہر و باطن کی حاصل ہوتی ہے چنانچہ بعض کلام سعدی، مولوی روم و حکیم سنائی و ناصر خسرو اسی قبیل سے ہیں۔ امید ہے کہ جہاں اور محاسن و قبائح کی ترویج و اصلاح پر نظر ہو گی فن شعر کی اس قباحت پر بھی نظر رہے، گو آج نہیں مگر امید قوی ہے کہ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی اس کا ثمرہ نیک حاصل ہو۔''

محمد حسین آزاد کی اس خواہش کو تقویت ملی۔ انگریزوں کے لائے گئے انگریزی ادب کی اس روش سے جس میں عام انسانوں کی زندگی کے حالات اور فطرت کے مظاہر کو نظم کا موضوع بنایا گیا تھا اور جس کے ذریعے ایک مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ روش آزاد کو اس لیے بھائی کہ وہ خود بھی اس بات کے خواہاں تھے کہ شاعری میں عوام کے دل کی دھڑکنیں بھی سنائی دیں۔ ان کے اندر کی آہ و کراہ بھی شاعری میں جگہ پائے۔ انسانی چیخ شعر میں گونجے، کمزور اور بے بس لوگوں کی تباہی و بربادی کا حال دوسروں تک پہنچے اور ان کے درد کے مداوے کی فکر کی جائے۔ انگریزی شاعری کا یہ انداز صرف محمد حسین کو ہی پسند نہیں آیا بلکہ ان کے رفقاء اور دوسرے قوم پرست اور ہمدرد دانشوروں کو

بھی اچھا لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئے انداز کی شاعری کا آغاز بہت جلد اردو میں بھی ہو گیا۔ شاعری کے اس نئے رنگ و آہنگ کو تاب و توانائی بخشی اس تاریخی مشاعرے نے جو 1874 میں کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں محمد حسین آزاد اور حالی پانی پتی کی کوششوں سے منعقد ہوا جس میں طرحی غزلوں کے بجائے آزاد اور حالی نے اپنی نظمیں سنائیں۔ یہ نظمیہ مشاعرہ اتنا کامیاب ہوا کہ باقاعدگی سے یہ مختلف شہروں اور قصبوں میں منعقد ہونے لگا۔ شعرا غزل کا دامن چھوڑ کر نظم کے لباس کی طرف لپک آئے اور اس طرح اردو شاعری کے دامن میں اردو نظموں کے پھول سجنے لگے جن میں ہر طرح کے موضوعات کے رنگ و آہنگ داخل ہونے لگے۔ اس کام میں محمد حسین آزاد کے ایک اور لیکچر نے بڑا اہم کردار نبھایا۔ وہ اپنے اس خطبے میں فرماتے ہیں:

> ''نئے انداز کے خلعت اور زیور جو آج کے مناسب حال ہیں وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ ہاں صندوقوں کی کنجی ہمارے وطن کے انگریزی دانوں کے پاس ہے۔''

> ''بھاشا پر جو فارسی نے اثر کیا اور اس سے نظم اور انشائے اردو نے ایک خاص لطافت حاصل کی وہ ان لوگوں کی بدولت ہوئی کہ بھاشا اور فارسی دونوں سے واقف تھے۔ تم خیال کرو جو اس وقت بھاشا اور فارسی کا حال تھا، آج بعینہٖ اردو اور انگریزی کا حال ہے۔ پس اس کی نظم میں اگر انگریزی کے خیالات کا پرتو ہوگا تو انھیں لوگوں کی بدولت ہوگا جو دونوں زبانوں سے واقف ہوں گے اور سمجھیں گے کہ انگریزی کے کون سے خیالات و لطائف ایسے ہیں جو اردو کے زیورِ زیبائش ہو سکتے ہیں۔''

اس وقت کے پس منظر کا تقاضا تھا کہ شعری ادب کو معاصر صورتِ حال سے ہم آہنگ کیا جائے۔ اسے موجودہ وقت کے سانچے میں ڈھالا جائے مگر اس وقت جو شاعری کے وسائل تھے یعنی جو شعری سانچے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ حالات کا ساتھ دے سکیں۔ تقاضائے وقت کے موضوعات کی ترجمانی کر سکیں۔ وہ نئے خیالات، نئے موضوعات، نئے نظریات کو مناسب طریقے سے شدت اور اثر کے ساتھ پیش کر سکیں۔ قصیدہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مرثیے اور مثنوی کا چلن ختم ہو چکا تھا اور غزل کی ہیئت ایسی نہیں تھی کہ کسی موضوع کو تسلسل کے ساتھ پیش کر سکے۔ غزل تو بس ایک شعر میں کسی موضوع کے ایک ہی پہلو کو پیش کر سکتی تھی وہ بھی اشارے کنائے میں، جبکہ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ موضوعات کے تمام تر پہلوؤں اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا جائے تا کہ شاعری کے مقصد کو پورا کیا جا سکے۔ مختصر یہ کہ غزل کی ہیئت رائج تو تھی مگر اس کا دامن تنگ تھا۔ اس لیے اس بات پر غور کیا گیا کہ کوئی ایسا سانچا ہاتھ آ جائے جو شاعری کے نئے رنگ و آہنگ کو تسلسل اور بھرپور تاثر کے ساتھ پیش کر سکے۔ لہٰذا ادیبوں اور شاعروں کی نظر انگریزی نظموں پر جا ٹکیں۔ وہ نظمیں ایسی تھیں جن کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ انگریزی نظموں کی طرح مختلف ہیئتوں میں اس زمانے کے مسائل و موضوعات کو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا مگر ابتدا میں محمد حسین آزاد، حالی اور دوسرے شعرا نے اس وقت جو نظمیں لکھیں وہ موضوعات و خیالات

کے اعتبار سے تو نئی تھیں مگر ان کی ہیئتیں وہی تھیں جو پرانی مثنویوں، قصیدوں اور مرثیوں کی ہوتی تھیں۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ یہ شعرا انگریزی ادب سے براہ راست استفادہ نہ کر سکے۔ کیونکہ یہ انگریزی زبان سے واقف نہیں تھے۔

بقول خلیل الرحمٰن اعظمی ''انگریزی شاعری کے بالواسطہ مطالعے سے آزاد نے یہ نتیجہ نکالا کہ شاعری کو محدود موضوعات کے دائرے سے نکال کر وسعت دی جائے۔'' چنانچہ آزاد اسی لیکچر میں لکھتے ہیں:

> ''تمہاری شاعری جو چند محدود احاطوں میں بلکہ زنجیروں میں مقید ہو رہی ہے، اس کے آزاد کرنے میں کوشش کرو۔''

مولانا حالی نے بھی محمد حسین آزاد کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا:

> ''ایشیائی شاعری جو کہ دروبست، عشق و مبالغہ کی جاگیر ہوگئی ہے اس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور اس کی بنیاد حقائق اور واقعات پر رکھی جائے۔''

حالی نے حبیب الرحمٰن شروانی کے نام اپنے ایک خط میں یہ بھی لکھا:

> ''آپ کی نظم ''برسات'' کے مطالعے سے برسات کا لطف دونا ہوگیا۔ اس میں کسی قسم کا تصرف کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ اگرچہ شعرائے ایران و ہندوستان کے مسلمات کے خلاف کہا گیا ہے جیسے کرشمہ کا قافیہ جلوہ یا برسیں کا قافیہ بھر دیں یا بدلہ کا قافیہ آیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر میرے نزدیک اب ان قیود کو اٹھا دینا ہی بہتر ہے جن کے سبب شاعری کا میدان نہایت تنگ ہوگیا ہے۔'' (جولائی 1901)

اردو نظم کو خط و خال بخشنے اور اسے پروان چڑھانے میں تہذیبی پس منظر کا جو سب سے زیادہ روشن پہلو تھا، وہ انجمن تھی جس کی بنیاد 1865 میں سیکشا سبھا کے مکان میں ایک جلسے کے دوران رکھی گئی جس کی صدارت پنڈت منی پھول نے کی اور جس انجمن کے صدر کے لیے گورنمنٹ کالج، لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر کے نام کی تجویز رکھی گئی۔ اس انجمن کا نام ''انجمنِ اشاعتِ مطالبِ مفیدہ پنجاب'' رکھا گیا۔ اس انجمن کے جو مقاصد طے کیے گئے ان میں اسکول، مدرسے اور لائبریریوں کا قیام، اصلاحی ادب کی ترویج و اشاعت، علمی و ادبی جلسے کے تحت اخلاقی و سماجی اور اصلاحی لیکچروں کا اہتمام اور طلبہ کی ہمت افزائی کے انعامات اور اسناد وغیرہ کے انتظام و اہتمام کو بھی شامل کیا گیا۔

اس کی کارکردگی کے پیش نظر اسے حکومتِ وقت کا تعاون بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ حکومت کے تعاون اور انجمن کے ممبران کی کوششوں سے اس کے منصوبوں کا دائرہ وسیع ہوا۔ مغربی علوم سے استفادے کا رجحان بڑھا، شاعری کے معیار بدلے اور نظمِ جدید کو فوقیت حاصل ہوئی۔

اس تہذیبی پس منظر میں موضوعاتی مشاعروں کا بڑا نمایاں رول رہا۔ ان مشاعروں کے لیے لکھی گئی نظمیں ملک و قوم کی اصلاح اور ذہنی بیداری میں کافی مددگار ثابت ہوئیں۔ نظموں میں تنوع،

وسعت اور رنگا رنگی لانے کے لیے قدرتی مناظر اور تاریخی واقعات کو موضوع بنایا گیا۔ اس طرح کے مظاہر پر بہت زور دیا گیا۔ اس لیے اس دور کی شاعری نیچرل شاعری کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس طرح کے مشاعرے تواتر سے منعقد ہونے لگے۔ پہلا مشاعرہ 30 مئی 1876 کو منعقد ہوا جس کا عنوان 'برسات' تھا۔ اس میں محمد حسین آزاد نے اپنی نظم 'ابرِ کرم' اور حالی نے اپنی مشہور نظم 'برکھا رُت' پیش کی۔ 'ابر کرم' میں برسات کی منظر نگاری کے علاوہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کی جھلکیاں بھی دکھائی گئی ہیں۔ برکھا رُت میں بن میں آگ لگنے، ہرنوں کا کالا ہونے، زمین سے شعلوں کے نکلنے کے مناظر پیش کیے گئے ہیں۔

دوسرا مشاعرہ 30 جون 1874 کو ہوا۔ اس کا موضوع 'سرما' یا 'زمستاں' تھا۔ اس میں آزاد اور حالی کے علاوہ ہما اشرف، مقرب، رفیق، مولوی امّو جان، ولی وغیرہ بھی شریک ہوئے۔

تیسرا مشاعرہ جس کا موضوع تھا 'امید' 3 اگست 1874 کو منعقد ہوا۔ اس مشاعرے میں محمد حسین آزاد نے اپنی نظم 'صبح امید' اور حالی پانی پتی نے 'نشاط امید' پیش کیں۔ یہ دونوں نظمیں آگے چل کر اردو نظم نگاری کی تاریخ میں شاہکار ثابت ہوئیں اور درس و تدریس کی بیشتر کتابوں کے نصابات میں بھی شامل کی گئیں۔

اس سلسلے کا چوتھا مشاعرہ یکم ستمبر 1874 کو منعقد ہوا۔ اس کا عنوان تھا 'حب وطن'۔ اس میں تمام تر وہ نظمیں پڑھی گئیں جن کا موضوع وطن پرستی کا جذبہ تھا۔ حالی کی مشہور نظم 'حب وطن' اسی مشاعرے میں پہلی بار پڑھی گئی۔

پانچویں مشاعرے کا اہتمام 14 نومبر 1874 کو کیا گیا۔ اس کا موضوع تھا 'خوابِ امن'۔ اس میں آزاد نے اپنی نظم 'خوابِ امن' پڑھی۔

چھٹا مشاعرہ نومبر 1874 میں منعقد ہوا۔ اس کا موضوع تھا 'انصاف'۔ اس میں آزاد نے دادِ انصاف پڑھی اور حالی نے 'مناظرۂ رحم و انصاف' پیش کی۔ لاہور میں پڑھی جانے والی حالی کی یہ آخری نظم تھی۔ البتہ محمد حسین آزاد نے بعد کے مشاعروں یعنی ساتویں مشاعرے میں 'وداعِ انصاف' آٹھویں میں 'گنج قیامت اور مصدر تہذیب' کے عنوان سے نظمیں پیش کیں۔

موضوعاتی مشاعرے کا یہ سلسلہ گیارہ ماہ تک قائم رہا۔ اس قلیل مدت میں بھی اس نوع کے مشاعرے نے پورے ملک میں مقصدی، اصلاحی اور افادی قسم کی شاعری کا رجحان پیدا کر دیا۔ اس مشاعرے میں پڑھی جانے والی نظموں کا اثر یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اردو کا شعری منظر نامہ تبدیل ہونے لگا۔ یہ وہ تہذیبی پس منظر تھا جس نے اردو نظم کے لیے زرخیز زمین تیار کی اور شعر و ادب کے ایسے ایسے گل بوٹے اگائے کہ گلزارِ سخن میں بہار آ گئی۔

ابتدا میں تو چونکہ ہمارے شاعرں کے پاس نئی ہیئتوں کے نمونے نہیں تھے اور حالی و آزاد وغیرہ انگریزی زبان سے بھی براہ راست واقف نہیں تھے اس لیے پرانی اور اپنی روایتی ہیئتوں میں ہی نئے موضوعات پر نظمیں لکھیں مگر کچھ دوستوں کی مدد سے بعد میں انھوں نے انگریزی شاعری کی بھی کچھ ہیئتیں استعمال کیں۔ بعد کے شاعروں نے یا ان شعرا نے جنھیں انگریزی زبان آتی تھی، نئی ہیئتوں میں بھی نظمیں لکھیں۔ اس طرح اردو نظم نگاری میں موضوعات کے ساتھ ساتھ ہیئت و اسلوب کی بھی رنگا رنگی پیدا ہونے لگی۔

مثلاً مولوی اسماعیل میرٹھی نے 1868 میں انگریزی کی چار نظموں کے منظوم ترجمے کیے یعنی 'کیڑا' ایک قانع مفلس، موت کی گھڑی اور فادر ولیم پھر حب وطن اور خام خیالی کے عنوان سے بھی نظمیں لکھیں جو انگریزی نظموں سے ماخوذ تھیں۔

خود حالی نے 'زمزمۂ قیصری' کے عنوان سے مسٹر اسٹوک کی انگریزی نظم کا ترجمہ کیا۔ حالی نے کچھ ایسی نظمیں بھی لکھیں جن کا خیال انھوں نے انگریزی نظموں سے اخذ کیا۔ ثنیاتی ان کی اس قبیل کی نظم ہے۔

محمد حسین آزاد نے اپنی نظم 'جغرافیہ کی پہیلی' نئی ہیئت میں لکھی۔ آگے چل کر اسی ادبی و تہذیبی صورت حال نے اردو شاعری کو وہ پس منظر عطا کیا جس کے اثر سے اردو نظم کو نئے موضوعات کے ساتھ ساتھ نئے اسلوب اور نئی ہیئتوں سے بھی ہم آہنگ کیا گیا۔ اس کام میں سب سے زیادہ فعال کردار مولوی عبدالحلیم شرر نے ادا کیا۔ شرر نے یہ کام اپنے رسالہ 'دلگداز' سے شروع کیا۔ انھوں نے نظم طباطبائی سے ایک نئے انداز کی نظم کا اردو میں ترجمہ کرایا۔ نظم کا عنوان تھا 'گور غریباں' جو مشہور شاعر تھومس گرے کی شہرت یافتہ نظم 'ایلیجی' کا ترجمہ ہے۔

اس ترجمہ نے اردو کی جدید نظم نگاری کو بہت متاثر کیا۔ چنانچہ وحید الدین، شوق قدوائی، مرزا محمد ہادی رسوا وغیرہ نے اپنی اوریجنل نظمیں بھی اب اسی طرز میں لکھنا شروع کیں جن میں سے بیشتر شرر کے رسالہ دلگداز میں شائع ہوئیں۔ خود طباطبائی نے اس ترجمے کی مقبولیت کے بعد کئی اور ترجمے کیے۔

پھر تو اردو نظم کی مختلف ہیئتوں میں بھرمار لگ گئی۔ اردو میں نظم معریٰ اور آزاد نظم کی ہیئتیں مشہور ہوتی چلی گئیں اور ان میں نئے نئے نمونے منظر عام پر آتے چلے گئے۔ شرر کے 'دلگداز' کے علاوہ جن رسالوں نے اردو نظم کے فروغ میں پس منظر کا کام کیا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں سر عبدالقادر کا رسالہ 'مخزن' کا نام سرفہرست ہے۔ اپریل 1901 میں مخزن کا پہلا شمارہ شائع ہوا جس کے اغراض و مقاصد میں سے ایک یہ بھی تھا۔

انگریزی نظموں کے نمونے پر طبع زاد نظمیں، انگریزی نظموں کے بامحاورہ ترجمے شائع کرنا تاکہ

متقدمین کی تقلید کرنے والے جدید مذاق سے آگاہ ہوں۔ 'ہمایوں' اور 'اردو' اس زمانے کے اہم رسالے تھے جنہوں نے اردو نظم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

یہ ہے وہ سماجی اور تہذیبی پس منظر جس کی بدولت اردو نظم کا آغاز ہوا اور جس کے لکھنے والوں کی کوششوں سے اردو نظم کو مختلف رنگ و آہنگ ملتے گئے۔ اس رنگ و آہنگ کی نظم نے نہ صرف یہ کہ اردو غزل کے تنگ دائرے سے نکال اردو شاعری کو وسعت عطا کی بلکہ اس نے ہندوستانیوں کو اپنے حق کے لیے لڑنے اور زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کے لیے ایک ہتھیار بھی فراہم کر دیا۔ یہی وہ نظم ہے جو آگے چل کر اقبال کے پاس پہنچی جس نے دنیا کو یہ نعرہ دیا کہ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

3.4 آپ نے کیا سیکھا

- پس منظر کیا ہوتا ہے اس کی جانکاری حاصل کی۔
- اردو نظم سے کیا مراد ہے یہ جانا۔
- اردو نظم کے پس منظر کو جانا۔
- اس دور میں منعقد ہونے والے مشاعرے کو موضوعاتی مشاعرہ کیوں کہا گیا اس کی جانکاری ملی۔
- موضوعاتی مشاعروں کے کردار کو سمجھا۔
- ان مشاعروں میں شرکت کرنے والے سبھی اہم شعرا کون تھے اور انھوں نے کون کون سی نظمیں پڑھیں یہ جانا۔
- اردو نظم کے اہم موضوعات کا مطالعہ کیا۔
- نظم کا نیا رنگ و آہنگ کیا تھا اسے سمجھا۔
- جن رسالوں نے اردو نظم کے ارتقا میں اہم کردار نبھایا اس کا علم ہوا۔
- اس دور کا سماجی پس منظر کیسا تھا یہ جانکاری حاصل کی۔

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1 پس منظر کا مفہوم سمجھائیے؟

2 اردو نظم سے کیا مراد ہے؟

3 محمد حسین آزاد نے کس طرح کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی؟

4 1857 سے پہلے کس طرح کی شاعری اردو میں کی جاتی تھی؟

5 اردو نظم کے اہم موضوعات کیا تھے؟

6 نظم کا نیا رنگ و آہنگ کیسا تھا؟

7 کتنے موضوعاتی مشاعرے ہوئے اور ان میں سے چھ مشاعروں کے موضوعات بتایئے؟

8 ان مشاعروں میں پڑھی گئی کچھ مشہور اور اہم نظموں کے نام بتایئے؟

9 اردو نظم کے ارتقا میں کن رسالوں نے اہم کردار نبھایا۔ ان رسالوں کے نکالنے والے مدیروں کے نام بھی بتایئے؟

10 محمد حسین آزاد اور حالی کے علاوہ کچھ اہم اردو نظم نگاروں کے نام بتایئے؟

3.6 سوالات کے جوابات

1 پس منظر کے لفظی معنی ہیں پچھلے وجوہ کا ظہور، پچھلا ماحول، پیچھے کا منظر، بیک گراؤنڈ۔ مراد یہ کہ پس منظر کا مفہوم ہے وہ منظر جو کسی منظر کے پیچھے یا بیک گراؤنڈ میں ہوتا ہے۔ یعنی بیک گراؤنڈ میں دکھائی دینے والے وہ نظارے جو کسی سامنے کے نظارے کے رنگ کو روشن، گاڑھا یا مدھم کرتے ہیں۔

2 اردو نظم سے یہاں مراد صرف وہ نظم ہے جس میں کسی واقعہ، خیال یا تجربے کو تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے یعنی جس کے تمام اشعار ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں اور جس میں کسی بنیادی موضوع کا ارتقائی سلسلہ نظم کے آخر تک جاری رہتا ہے اور جو غزل کے برعکس سمجھی جاتی ہے۔

3 محمد حسین آزاد نے کرنل ہالرائڈ کی سرپرستی میں موضوعاتی مشاعرے کی بنیاد ڈالی جس میں غزلوں کے بجائے آزاد اور حالی نے اپنی نظمیں سنائیں۔ اس مشاعرے میں مصرع طرح کے بجائے کوئی عنوان دیا جاتا تھا جس پر شعرا نظمیں لکھ کر پڑھتے تھے مثلاً کبھی حب وطن کا موضوع دیا جاتا تھا تو کبھی مناظر فطرت کا کبھی اسی طرح کا کوئی اور موضوع۔

4 1857 سے پہلے اردو میں غزل کا بول بالا تھا۔ شعرا عشقیہ غزلیں لکھتے تھے جن میں معشوق کے حسن کی تعریف اور عاشق کے اضطراب کی ترجمانی ہوتی تھی، مبالغہ ہوتا تھا، جھوٹی باتیں ہوتی تھیں، حقیقت سے واسطہ بہت کم ہوتا تھا۔ لفظوں کے کھیل زیادہ کھیلے جاتے تھے۔

5 اردو نظم کے اہم موضوعات تھے وطن پرستی، فطرت کے مظاہر، تاریخی واقعات، قدرتی مناظر وغیرہ۔

6 ایسا آہنگ جو اردو شاعری کے رنگ و آہنگ سے مختلف تھا یعنی جس کے موضوعات مختلف تھے، اسلوب جدا تھا، ہیئت نہیں تھی، نظم معریٰ والی ہیئت تھی جس میں آزاد نظم کا فارم اپنایا گیا تھا۔

7 کل گیارہ مشاعرے ہوئے ان مشاعروں کے عنوانات تھے:

برسات، زمستاں یا سرما، امید، حب وطن، خواب امن، انصاف۔

8 ان مشاعروں میں جو نظمیں پڑھی گئیں ان میں محمد حسین آزاد کی ابر کرم، صبح امید، خوابِ امن، دادِ انصاف، وداعِ انصاف، صبح قیامت اور مصدرِ تہذیب اور حالی کی برکھا رُت، نشاطِ امید، حب وطن، مناظرۂ رحم و انصاف قابل ذکر ہیں۔

9 اردو نظم کے ارتقا میں جن رسالوں نے اہم کردار نبھایا ان میں عبدالحلیم شرر کا رسالہ 'دلگداز'، سر عبدالقادر کا رسالہ 'مخزن'، تاجور نجیب آبادی کا رسالہ 'ہمایوں' اور مولوی عبدالحق کا رسالہ 'اردو' قابلِ ذکر ہیں۔

10 محمد حسین آزاد اور حالی کے علاوہ جن مشاعروں نے اردو نظم کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا ان میں اسماعیل میرٹھی، طباطبائی، تاجور نجیب آبادی، ظفر علی خاں وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

3.7 فرہنگ

لفظ	معنی
غلبہ	زیادتی
مرتسم	مہر لگایا گیا
تقلید	نقل
مسلط	حاوی ہونا
مضر	نقصان دہ
تغیر	بدلاؤ
تقویت	طاقت
نظمیہ مشاعرہ	ایسا مشاعرہ جس میں صرف نظمیں پڑھی جائیں
قالب	ڈھانچہ
براہ راست	سیدھا

استفادہ	فائدہ اٹھانا
مقید	قید کیا گیا
دروبست	انتظام
راغب کرنا	متوجہ کرنا
تبلیغ	پرچار پرسار
شعری منظرنامہ	شاعری کی صورت حال
منظوم ترجمہ	ایسا ترجمہ جو نظم میں کیا جائے یعنی جس میں شاعری کی طرح بحر، وزن، قوافی ردیف وغیرہ کی پابندی کی جائے۔
ہیئت	ڈھانچہ
تنگ دائرہ	جس میں جگہ کم ہو
معیار	پیمانے
ذہنی بیداری	جگانا
قلیل مدت	بہت کم وقت

3.8 کتب برائے مطالعہ

1	جدید اردو نظم اور یورپی اثرات	پروفیسر حامد کاشمیری	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی 2010
2	زاویۂ نگاہ	پروفیسر خلیل الرحمٰن اعظمی	آدرش پبلشرز، گیا 1966
3	اردو ادب کی تحریکیں	ڈاکٹر انور سدید	کتابی دنیا، دہلی 2004
4	اردو شاعری کا سماجی پس منظر	سید اعجاز حسین	نیشنل آرٹ پرنٹرس، الٰہ باد 1968
5	دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر	محمد حسن	نو دیپ آفسیٹ پریس، 1964

اکائی 4 اردو نظم اور حُبّ الوطنی

ساخت

4.1 اغراض ومقاصد
4.2 تمہید
4.3 اردو نظم اور حُبّ الوطنی
4.4 آپ نے کیا سیکھا
4.5 اپنا امتحان خود لیجیے
4.6 سوالات کے جوابات
4.7 فرہنگ
4.8 کتب برائے مطالعہ

4.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- اردو نظم اور حُبّ الوطنی کے رجحانات ومیلانات کا پتہ لگائیں گے
- اردو نظم سے منسلک حُبّ الوطنی کے نمائندہ شعرا کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے
- حُبّ الوطنی سے متعلق اردو نظم کے نمائندہ موضوعات کا جائزہ لیں گے
- حُبّ الوطنی سے متعلق اردو نظم کی قدر و قیمت متعین کریں گے

4.2 تمہید

اردو میں حب الوطنی کا خیال آتے ہی محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اقبال، اسماعیل میرٹھی، سرور جہان آبادی، چکبست، اکبر الہ آبادی، تلوک چند محروم، جوش، سیماب اکبر آبادی اور جمیل مظہری وغیرہ کے نام روشن حروف میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ ان شعرا نے وقت کے تقاضے کو سمجھا اور ہوا کے رُخ کو پہچان کر اردو ادب کو ایک خاص (حب الوطنی) قومی و وطنی کے رخ کی طرف موڑ دیا۔ جدید شاعری میں حب الوطنی کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے پہلے کے شعرا میں یہ جذبہ موجود نہیں تھا یہ الگ بات ہے کہ 1857 کے پہلے کے شعرا میں وطنِ عزیز کی مٹّی سے ہمدردی اور قربان ہونے کا جذبہ کم تھا امیر خسرو سے لیکر دکنی شعرا اور ولی سے لیکر محمد حُسین آزاد تک اردو کے

بیشتر شعرا چھوٹے بڑے درباروں سے وابستہ ہو کر پرانی روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ملک پر قربان ہونے کا درس دے رہے تھے۔ ان میں قلی قطب شاہ، روحی اور ولی دکنی بہت مشہور ہوئے۔ ان کا شمار قدیم رنگ کے نمائندہ شعراء میں ہوتا ہے۔ قلی قطب شاہ، بادشاہ صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ روحی کا دیوان بھی منظرِ عام پر آ چکا ہے۔ ولی دکنی کے کئی دیوان چھپے۔

محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی کو جدید اردو ادب کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ 1857 کے بعد زمانہ بدل رہا تھا۔ حالی نے مسدّس لکھی اور محمد حسین آزاد کے کہنے پر نئے ڈھنگ کی نظمیں کہیں۔ اکبر الہ آبادی کی شاعری میں جدید اور قدیم، مشرق اور مغرب کی کشمکش تھی۔ انھوں نے ہنسی ہنسی میں اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ محمد حسین آزاد اور حالی نے غزل کی دنیا سے نکل کر نظموں کی طرف توجہ دی۔ اس طرح مبالغہ آرائی، قافیہ پیمائی اور رسمی خیالات کم ہو گئے اور سچائی کے ساتھ دل کی باتیں کہی جانے لگیں۔ غزل رسمی چیز بن کر رہ گئی تھی لیکن حسرت، شاد، سیماب، اصغر، فانی، جگر، یگانہ وغیرہ نے اس میں نئی روح پھونکی۔ انھوں نے غزل کی رنگینی کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں اعلیٰ خیالات، سچی دلی کیفیات اور زندگی کی حقیقتوں کو پیش کیے۔ حبّ الوطنی سے متعلق نظم لکھنے کا جو سلسلہ آزاد، حالی، شبلی اور اکبر نے شروع کیا تھا اس نے ایک غیر معمولی شاعر محمد اقبال کو جنم دیا۔ انھوں نے فلسفہ اور شاعری، رنگینی اور سنجیدگی کو قومی و وطنی شاعری میں اس طرح ملایا کہ اردو شاعری کا معیار کافی بلند ہو گیا۔ اقبال نے انسان کی عظمت، آزادی اور قومی گیت گائے۔ حالی اور آزاد کے عہد سے لے کر آج تک اردو میں جنھوں نے ادب تخلیق کیا وہ لوگ مغرب سے متاثر ضرور تھے لیکن انھوں نے مغربی طرزِ فکر، اندازِ نظر اور خیالات کو قبول نہیں کیا بلکہ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

4.3 اردو نظم اور حب الوطنی

ہندوستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ جہاں ہر طرح کی قومیں آباد ہیں۔ جن کے مذہب، رنگ و نسل اور زبان جداگانہ ہیں۔ علاوہ ازیں تہذیب و ثقافت رسم و رواج میں بھی نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے گلدستہ کی ہے جس میں مختلف قسم کے پھول ایک ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی باشندوں میں ان تمام اختلافات کے باوجود ایک فطری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ جذبۂ حب الوطنی نے تمام اختلافات کے باوجود انہیں ایک دھاگے میں باندھے رکھا ہے۔ اسی کی بدولت ان میں اتحاد و اتفاق، یک جہتی اور امن و آشتی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کثرت میں وحدت کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ ہندوستان کی اس بے مثال گنگا جمنی تہذیب نے رواداری اور صلحِ کُل کے نظریہ کو فروغ دیا جو آج بھی ہندوستان کی سلامتی کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

اس صلحِ کُل، رواداری، بھائی چارگی، امن و آشتی، اتحاد و اتفاق اور یک جہتی میں شاہانِ مغلیہ کے

جذبۂ اخوت پسندی کے علاوہ صوفیائے کرام اور اردو شعرا و ادبا کی کوششیں بھی قابلِ تعریف ہیں۔

چوں کہ شاعر عام انسان کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے واقعات سے متاثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور وہ تمام عوامل جن سے وہ اثر قبول کرتا ہے اس کی تخلیقات میں کبھی براہ راست اور کبھی رمز و ایما کے پیرائے میں ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ اردو شاعری نے ہر دور میں اہل وطن کو اپنی سرزمین سے پیار کرنے کے جذبے سے سرشار کیا۔ جب ملک غلام تھا تو اردو شعرا سے غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم و تشدد کے خلاف برسر پیکار ہونے کی ترغیب ملی۔ تحریک آزادی کو پروان چڑھانے میں اردو شعرا نے نہ صرف قلمی طور پر اہل ملک کی رہنمائی کی بلکہ عملاً بھی اس میں شرکت کر کے ان کی رفتار کو تیز تر کیا۔ شعرا نے اس کی پروا بھی نہ کی کہ اس جرم کی پاداش میں ان کا انجام کیا ہوگا؟ چنانچہ اردو کے متعدد شعرا کو جنگ آزادی میں قلمی اور عملی معاونت کے صلے میں جام شہادت پینا پڑا، قید و بند اور جلاوطنی کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن اس کے باوجود جد و جہد آزاد کے ابتدائی دور ہی سے اردو شاعری تحریکِ آزادی کو مقبول عام بنانے اور اسے وسعت دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی رہی۔ اور حصول آزادی تک مسلسل اہل وطن کی قومیت اور وطنیت کے شعور کو فروغ دینے، ان میں ذہنی انقلاب پیدا کرنے اور سیاسی تحریکوں کو تیز و تند بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی رہی۔

برصغیر کے باشندوں میں اجتماعی روح پیدا کرنے، ان کے ملی اور وطنی شعور کو بیدار کرنے، اسے تقویت دینے اور سیاسی انتشارات کی مختلف تباہیوں اور بربادیوں کے بعد ان کے مردہ دلوں کو حرارت دینے میں اردو زبان نے جو اہم کردار ادا کیا اس کا صحیح اندازہ لگانا آسان نہیں۔ جب کہ یہ زبان برصغیر کی حیاتِ اجتماعی کا ایسا مجلّی اور مصفّی آئینہ ہے جس میں اس کی زندگی اور تہذیب کے خط و خال پوری طرح جلوہ گر ہیں۔ چوں کہ ادب پورے طور پر معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اس لیے اردو ادب بھی اپنے اندر سیاسی، معاشی، سماجی اور معاشرتی زندگی کا عکس سموئے ہوئے برعظیم کے ایک طویل دور پر محیط ہے۔

دیگر زبانوں کی طرح اردو میں بھی نثر سے قبل نظم نے قدم جمائے اور اسے ادبی حلقوں میں تقویت ملی۔ صوفیائے کرام نے اردو شاعری کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنایا اور شاعری میں اسلامی عقائد و نظریات کے علاوہ انسان دوستی کو بھی خاص اہمیت دی۔ جس سے غیر مسلموں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس سے متاثر ہوا۔ جس کی دلیل غیر مسلم ہندو شعرا کے کلام میں دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح اردو نظم میں جذبۂ حب الوطنی کو فروغ ملا۔

اردو شاعری نے گنگا جمنی تہذیب کے ترجمان کی حیثیت سے ایک اہم کارنامہ انجام دیا۔ اس زبان کے شعرا نے یہ نکتہ پیش کیا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسروں کے مذہب کو بھی بہتر جانے تو دنیا سے خون خرابہ، فسادات اور جھگڑے بالکل ختم ہو جائیں گے۔

اردو کے صوفی بزرگ شاعر طوطیٔ ہند حضرت امیر خسرو نے اپنے کلام میں ہندوستان کے رسم ورواج، ماحول، مناظر فطرت، ترکاریوں، پھول، پھل، موسم، دریا، پہاڑ اور ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کو پیش کیا ہے۔ انہیں ہندوستان جسے وہ اپنا وطن عزیز سمجھتے تھے بے حد محبوب تھا اور اپنی مثنویوں اور قصائد میں اس کی دل کھول کر تعریف کی۔

اردو ادب کے گہوارہ دکن میں سلاطین نے بھی اردو زبان وادب کی سرپرستی کی۔ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر قلی قطب شاہ کے دکنی اردو دیوان میں قومی یک رنگی کی فضا، اخوت ومحبت اور جذبۂ ایثار کی فراوانی ہے۔ مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا یہ جذبہ نصرتی، غواصی، ابن نشاطی، ملا وجہی وغیرہ کے یہاں بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ولی دکنی کا دیوان جب دہلی پہنچا تو دہلی کے ہم عصر شعرا پر ان کے دیوان کا دیرپا اثر قائم ہوا۔ لہٰذا دہلی کے نامی گرامی شعرا شاہ حاتم، آبرو، ناجی وغیرہ نے نہ صرف اردو شاعری میں عشق ومحبت کے جذبات عام کیے بلکہ تہذیبی واخلاقی قدروں کی فضا بھی ہموار کی۔

میر تقی میر، سودا، درد، میر سوز، قائم چاندپوری اور دیگر دوسرے شعرا نے اپنے کلام میں صلح کل کی پالیسی کو اپنایا۔ غالب کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں گنگا جمنی تہذیب کی روح کو پھونک دی ہے۔ انہوں نے رنگ ونسل، مذہب اور رسم ورواج سے بڑھ کر انسان دوستی اور وفاداری کو اہمیت دی، ان کا شعر ہے کہ

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑوں برہمن کو
نہیں کچھ سبحہ وزنار کے پھندے میں گیرائی
وفاداری میں شیخ وبرہمن کی آزمائش ہے

نظیر اکبرآبادی بلاشبہ اردو نظم نگاری کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں یعنی نظموں میں ہندوستان کو چلتا پھرتا پیش کیا ہے۔ ان کی نظمیں حب الوطنی کے جذبے سے لبریز ہیں انہوں نے ہندوستانیوں کی زندگی کو نہایت قریب سے دیکھا تھا اور ان کی طرز زندگی، رکھ رکھاؤ، رسم ورواج، مذہب وملت، عقائد اور توہمات کو اپنی نظموں میں پیش کیا انہوں نے بہت ساری نظمیں ہندوؤں کے تہواروں اور دیوتاؤں کے تعلق سے کہی ہیں جیسے ہولی، بلدیو جی وغیرہ۔ نظیر اکبرآبادی نے اپنی نظموں میں حب الوطنی کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ انہوں نے ہر قسم کی منافرت اور تفریق کو بلائے طاق رکھتے ہوئے اخوت وبھائی چارگی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور وسیع المشربی کی حمایت کی اور اپنی نظموں کو صلح کل کا نشانِ راہ بنایا۔

اردو شاعری کا خمیر جس آب وگل سے تیار ہوا تھا وہ اپنے عہد کی تاریخ تھی اور اگر کوئی چاہے تو فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں اردو شاعری کے ذریعہ ہندوستان کے ہر عہد کی تہذیبی اور سماجی تاریخ بھی مرتب کرسکتا ہے اور سیاسی واقعات کی نشاندہی بھی کرسکتا ہے۔

حالی نے اس قدیم عنصر کو قومی یکجہتی کا سبب سمجھا جسے ہندوستانیت کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور اس ضمن میں برکھارت اور مناجات بیوہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔لیکن ان کا اہم ترین کارنامہ ان کی مثنوی حب وطن ہے جس میں وطنیت کے جدید شعور اور ہندوستانیوں کو ایک متحدہ قوم ہونے کا احساس دلایا گیا ہے اور واضح الفاظ میں حب الوطنی کا سنگ بنیاد نظر آتا ہے۔

حالی کہتے ہیں ۔

اے وطن اے مرے بہشت بریں　　کیا ہوئے تیرے آسمان وزمیں
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں　　اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
جن وانسان کی حیات ہے تو　　مرغ وماہی کی کائنات ہے تو
تیری اک مشت خاک کے بدلے　　لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

اردو میں حالی نے پہلی بار ''لفظ قوم'' کو اہل ملک کے معنی میں استعمال کرکے ہندوستانی قوم کا تصور پیش کیا۔

حالی قوم اور وطن کے جدید تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ملک میں اتحاد ویکجہتی کی تلقین کرتے ہیں۔ ۔

ملک ہیں اتفاق سے آزاد　　شہر ہیں اتفاق سے آزاد
ہند میں اتفاق ہوتا اگر　　کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی　　اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

حالی اس وطنی شعور کا ایک ناگزیر عنصر فرقہ وارانہ اتحاد کو سمجھتے تھے۔

آزاد نے بھی حب وطن پر نظم لکھی۔ان کے جذبات میں شدت ہے اور وطنیت کے اس شعور کو بیدار کرنا چاہتے ہیں جس کا تصور آج کے دور میں بھی مشکل سے ملے گا۔ان کے تصور میں حب الوطنی یکجہتی سے بھی عبارت ہے اور اس کا روحانی پس منظر یہ ہے کہ وہ رحمت خدا ہے۔

اب میں تمھیں بتاؤں کہ حب وطن ہے کیا　　وہ کیا چمن ہے اور وہ ہوائے چمن ہے کیا
وہ رحمت خدا ہے کہ بندوں پہ عام ہے　　وہ لطف عام جس سے جہاں شاد کام ہے
حب وطن ہے جلوہ اُسی نور پاک کا　　اور روشن ہے اس کے نور سے عالم ہے خاک کا

ہو مہر میں یہ نور تو اس کو کرن کہیں گر دل سے جلوہ گر ہو تو حب وطن کہیں

جس طرح حالی نے برکھارت میں ہندوستانی فضا کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے اسی طرح آزاد کی مثنوی ابر کرم میں آم کے ٹکورے پپیہے، ملہار کی تانیں اور ساون کے گیتوں کی نغمگی سنائی دیتی ہے۔

حالی اور آزاد کا کارنامہ تھا جس نے آنے والے دور میں اقبال سے

''سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا''

اور ''سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام''

جیسی نظمیں لکھوائیں۔ آزاد اور حالی نے اپنے دور کی رہنمائی کا کارنامہ انجام دیا۔

اسی دور میں اسماعیل میرٹھی نے ایک طرف تو آزاد کا پیغام دیا اور کہا۔

ملے خشک روٹی جو آزاد رہ کر
تو وہ خوف وذلت کے حلوے سے بہتر

دوسری طرف انھوں نے بھی بڑی شد و مد سے ان طاقتوں کی حمایت میں آواز بلند کی جو حب الوطنی کے علمبردار تھے۔ انھوں نے کہا۔

جب تک سبق ملاپ کا یاد رہا بستی میں ہر ایک شخص دل شاد رہا
جب رشک وحسد نے پھوٹ ان میں ڈالی دونوں میں سے ایک بھی نہ آباد رہا

اسماعیل کی نظریں ایک بہتر زمانے کے اُفق کو دیکھ رہی تھیں لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب پوری قوم متحد ہو کر ملک کی تعمیر میں حصہ لے اور فرقہ واریت اور تعصب کا خاتمہ ہو جائے۔

حالی، آزاد اور اسماعیل میرٹھی نے حب وطن کا جو تصور پیش کیا تھا اسے اقبال نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ ''بانگ درا'' کا آغاز ہی ''ہمالہ'' سے ہوتا ہے اور اقبال ہندوستانی عظمت کی سب سے بڑی علامت پر نظم لکھ کر اپنے معاصر شعرا کے لیے رہبری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ہمالہ کو ''فصیل کشورِ ہندوستان'' اور ''پاسباں اپنا ہے تو'' ''دیوار ہندوستاں ہے تو'' کہہ کر اقبال نے ہندوستان کی علاقائی سرحدیں بھی متعین کر دی ہیں۔ اقبال نے باقاعدہ طور پر فرقہ پرستی اور احیا پرستی کے خلاف آواز بلند کی سرسید احمد خاں کی ''سید کی لوح تربت'' سے اقبال نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لیے اپنی زباں چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

محفل نو میں پرانی داستانوں کو نہ چھیڑ رنگ پر جواب نہ آئیں ان فسانوں کو نہ چھیڑ

''تصویر درد'' میں اقبال نے اپنے اس تصور کو پیش کیا ہے جس کی وہ پہلے ہی نشاندہی کر چکے تھے دیدۂ بینائے قوم کی حیثیت سے انھوں نے ہندوستان کی حالت پر اشک افشانی کی ہے۔ یہ اشعار ہندوستان کے پورے دور کی تصویر کشی کرتے ہوئے پیغام نجات دیتے ہیں ایسا پیغام جو حدود زماں سے بے نیاز ہے۔ یہاں بھی اقبال کی آواز احیاء پرستی اور فرقہ پرستی کے خلاف پوری قوت سے ابھرتی ہے وہ گشتگان کو اب ذلت و رسوائی سے بیدار کرنا چاہتے ہیں۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو! تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اقبالؔ نے مختلف انداز میں ہندوستانیت کو اپنے کلام میں جگہ دی اور ترانۂ ہندی لکھ کر تو انھوں نے اپنی حب الوطنی کو معراج پر پہنچا دیا۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

اسی طرح ''نیا شوالہ'' میں اقبال اہل وطن کے لیے نیا حرم تعمیر کرتے ہیں اور ان کو ''خاک وطن'' کے ذرات دیوتا نظر آتے ہیں۔

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے

اقبال نے جو تصورات پیش کیے تھے اس کو اس نظم میں مستحکم کیا۔ وہ کسی بھی قیمت پر فرقہ وارانہ توازن کو فراموش نہیں کرتے اور نہ ان کے یہاں کوئی تضاد نظر آتا ہے۔ اقبال جس طرح کا ''نیا شوالہ'' تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہاں پریت کے نغمے گونجیں گے، اور ان کی بنیاد محبت پر ہوگی۔

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

سرور جہاں آبادی کی شاعری کا آغاز بھی انیسویں صدی کے اواخر ہی سے ہوتا ہے وہ بہت کم سنی میں اس دنیا سے گزر گئے ورنہ ان کی شاعری اردو ادب میں یقیناً منارۂ نور کی حیثیت رکھتی لیکن اس

تھوڑے سے عرصہ میں بھی جو کچھ انھوں نے کہا شاعرانہ اعتبار سے اس کی بلندی اپنی جگہ پر مسلم ہے، وطنی شعور اور قومی یک جہتی کے تصورات کو مضبوط بنانے میں بھی اس دور میں اقبال کے علاوہ کوئی بھی سرور کا مدمقابل نظر نہیں آتا۔ انھوں نے شاعری کی وہ شاہراہ تعمیر کی جو چکبست، جوش اور بعد کے تمام شعرا کے لیے نشان راہ بن گئی۔

سرور نے بندے ماترم لکھ کر وطن کی تعریف کی اور پدمنی اور چتوڑ کی گذشتہ عظمت پر انھوں نے نظم لکھی تو اس کا بھی لحاظ رکھا کہ تاریخ کے یہ دونوں گوشے ذرا سی بداحتیاطی سے فرقہ وارانہ منافرت پیدا کر سکتے تھے مگر دونوں نظموں میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے فرقہ واریت یا تعصب کا شائبہ بھی آجائے۔ انہوں نے سال نو اور نوروز پر بھی اگر نظمیں لکھی ہیں تو اس میں بھی حب الوطنی کا نور روشن ہے۔

سرور نے ہر قدم پر توازن کا خیال رکھا جو بعد میں اردو شاعری کی روایت بن گیا ''عروس حب وطن'' میں کہتے ہیں:

حوروں پہ میں مروں تو جہنم نصیب ہو — کافر ہوں میں جو مجھ کو بتوں کی ہو آرزو
ناقوس اور اذاں میں نہیں قید کفر و دیں — اس کے لیے کہ جس کا پرستش کدہ ہے تو
گنگا نہائے شیخ، اگر تیرا اذن ہو — تیرا اشارہ ہو تو برہمن کرے وضو

حب وطن کا یہ صحیح تصور جو ''چاہ زمزم میں گنگا کا پانی'' ملا دینے کے تصور کا حقیقی وارث ہے اور جس کی نظیر ہندوستان کی دوسری زبانوں کی شاعری میں کم ملتی ہے۔

''خاک وطن'' میں بھی سرور نے تاریخ کی علامتوں سے اس توازن کو برقرار رکھا ہے جو اردو شاعری کی روایت بن گئی تھی۔ چکبست کو اس کا احساس ہے کہ دلوں میں حب وطن نہیں ہے اس لیے صور حب قومی سے خوابیدہ قوم کو بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ وطن کی خاک کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

کہاں ہیں ملک کے سرتاج قوم کے سردار — پکارتے ہیں مدد کے لیے در و دیوار
وطن کی خاک سے پیدا ہیں جوش کے آثار — زمین ہلتی ہے اڑتا ہے خون بن کے غبار
جگہ سے اپنی ہے چتوڑ کی زمیں سرکی — لرز رہی ہے کئی دن سے قبر اکبر کی

حب الوطنی اس دور کے شعرا کا ایمان ہے کچھ کے یہاں یہ تصویر مجرد کی شکل میں ہے اور اکثر کے یہاں اسکے مظاہر انگریزوں اور انگریزی تہذیب سے نفرت اور غلامی سے چھٹکارا پانے کی صورت میں ہیں۔ دوسرے طرز کے شعرا میں سب سے اہم نام اکبر کا ہے۔

اکبر کے اشعار کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ہندوستانیت ان کی حب الوطنی، ان کے قومی شعور اور

ہندوستان میں قومی وحدت کے دھارے سے ہم آہنگ تحریکوں سے وابستگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کہاں کی پوجا، نماز کیسی، کہاں کی گنگا، کہاں کا زمزم
ڈٹا ہے ہوٹل کے در پہ ہر اک، ہمیں بھی ایک جام صاحب

اکبر کے بعد کے شعرا میں ظریف لکھنوی بطورِ خاص مشہور ہوئے وہ بھی مغربی تہذیب اور اس کی علامتوں کے مخالف ہیں لیکن ان کے یہاں اس تہذیبی اور سیاسی شعور کی کمی نظر آتی ہے جو قومی یک جہتی کے تصورات کی اساس ہیں۔

البتہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے ظفر علی خاں کی شاعری کے خدوخال ابھرنے لگتے ہیں ان کی شاعری اس روشن دور کا نقطۂ آغاز ہے جس نے جوش، ساغر نظامی، جمیل مظہری، فراق، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری، احسان دانش، تلوک چند محروم، مہاراج بہادر برق، جگت موہن لال رواں، سیماب اکبرآبادی، روش صدیقی، حامد اللہ افسر، اور آنند نرائن ملا کو جنم دیا۔

اس دور میں سب سے زیادہ پرجوش اور قومی یک جہتی کے علمبردار شاعر کی حیثیت سے ظفر علی خاں ابھرے۔ شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''تقریباً بارہ برس قید میں گزارے، انھوں نے ادب کو عوام کے لیے ڈھالا اور اس کی عزت بھی قائم رکھی غیر ملکی حکومت پر تابڑ توڑ حملے کیے بعض تحریکوں کی تائید اور اعانت کے لیے جذبات کی شگفتگی کے ساتھ قلم اٹھایا مثلاً کانگریس، خلافت، احرار، اکالی، مسلم لیگ وغیرہ''۔ (نقوش۔ ادب عالیہ نمبر ''ظفر علی خاں'')

وقار عظیم نے ظفر علی خاں کی شاعری کو ملّی شاعری سے تعبیر کیا ہے اور انھیں خالص اسلامی شاعر قرار دیا ہے وقار صاحب کا خیال ہے کہ وہ پورے ایشیا میں اسلامی نظام کی ترویج کا خواب دیکھ رہے تھے انھوں نے خاص طور پر ظفر علی خاں کا یہ شعر مثال کے لیے پیش کیا ہے۔

لیکن میں پرستار نہیں خاک وطن کا
دیتا نہیں اس بت کو کسی شکل میں تعظیم

لیکن یہی ظفر علی خاں کہتے ہیں۔

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجھ کو اگر ہے عشق تو ہندوستاں سے ہے

تہذیب ہند کا نہیں چشمہ اگر ازل
یہ موج رنگ رنگ پھر آئی کہاں سے ہے

یہ ''رنگ رنگ موج'' ہندوستان کے مختلف تہذیبی دھاروں کی علامت ہے جسے ظفر علی خاں دیکھنا چاہتے ہیں کم از کم اس جگہ جب وہ اذان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کرتے ہیں تو پھر انھیں ملی شاعر نہیں کہا جاسکتا ۵۳ء تک ان کی شاعری صرف وطنی شاعری ہے، یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں دھیرے دھیرے وہ علیحدگی پسند رجحانات کا شکار ہوتے گئے اور بقول شورش کاشمیری ''مولانا نے جو کچھ لکھا وہ اصلاً ہماری پچاس سالہ سیاسیات کے داخلی اختلافات کا رنگا رنگ مرقع ہے''۔

یہ سب اپنی جگہ پر لیکن بیسیوں صدی کے پہلے ربع میں ظفر علی خاں قومی یکجہتی کے علمبردار اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے پرجوش لیڈر، بیباک صحافی اور قومیت کے پرستار شاعر نظر آتے ہیں۔ مارشل لا، آزادیِ ہند، فانوس ہند کا شعلہ وغیرہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔

جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھیں
کہ بُوندیں ہیں یہ اہل ہند کے خونِ تمنّا کا

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

تجھ کو اے پنجاب اگر کچھ بھی ہے پاس آبرو
اپنی اس عزت پہ اپنی جان کو قربان کر

سردار پٹیل جب قید کیے گئے تو ظفر علی خاں نے ان پر بھی نظم لکھی یہ اور بات ہے کہ سردار پٹیل اور ظفر علی خاں دونوں ہی بعد میں دو مختلف رجحان کے نمائندے بن گئے تھے ''پٹیل کا پیغام'' میں ظفر علی خاں نے باقاعدہ حب الوطنی کی اپیل کی ہے۔

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل — منزل آزادیِ کامل کی ہے اس عہد میں جیل
آئے دن اپنوں میں ہوتی نہ جو دانتا کلکل — ہونے پاتے نہ وہ اس طرح پرایوں کے دبیل

اور اس ''دانتا کلکل'' کا سبب وہ جان بُل کو قرار دیتے ہیں اور اسی کے خلاف شیخ و برہمن کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں۔

ظفر علی خاں کہیں کہیں انقلابی شعور کی گہرائی کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں کہتے ہیں۔

مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر وزبر
انقلاب ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب

ترک موالات اور گاندھی جی کے نظریات سے بھی وہ متفق ہیں۔

صبر والے چھارہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہوگیا فرسودہ شمشیر وسناں کا انقلاب

گاندھی جی سے ان کی عقیدت اس لیے بھی ہے کہ گاندھی کی ذات قومی یک جہتی کی علامت بن گئی تھی ۔

پروردگار نے کہ وہ ہے منزلت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

مسٹر جناح کی مخالفت میں یہ شعر لکھا تھا ۔

کیوں کر اس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا
زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

ظفر علی خاں کتنا واضح تصور قومی یک جہتی کا رکھتے ہیں اس کا اندازہ ان کی نظم کے اِن اشعار سے ہوسکتا ہے ۔

مسلماں بھولے بھالے اور ہندو سیدھے سادھے ہیں نہیں احمق مگر ایسے کہ سمجھیں انگبیں سم کو
نپٹتے آئے ہیں آپس میں اور اب بھی نپٹ لیں گے اگر تم بن کے ثالث بیچ میں ان کے نہ آدھمکو

اسی دور میں تلوک چند محروم نے جلیانوالہ باغ پر ''شکوۂ صیاد'' کے نام سے ایک نظم لکھی اس نظم میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے کہ محروم اس حادثے کو قومی حادثہ سمجھتے تھے کہتے ہیں ۔

نغمۂ بلبل شیدا سے فقط لاگ نہ تھی
کون سا برگ وہ تھا جس کے لیے آگ نہ تھی

محروم سدیشی تحریک اور ترک موالات کے حامی تھے ان موضوعات پر انھوں کئی نے نظمیں لکھیں اور بلا تخصیص مذہب وملت شہیدان وطن کی خاک پر عقیدت کے پھول برسائے ان کی ایک نظم کا عنوان ''ہندی نوجوانوں سے'' ہے جس میں انھوں نے وضاحت کردی ہے کہ ان کی شاعری کا فکری محور حب الوطنی ہے ۔

تو مسلم ہے کہ ہندو ہے غرض اس سے نہیں مجھ کو محبت ہے وطن سے تجھ کو اِتنا ہے یقیں مجھ کو
تری حالت نہ ہو حسرت فزا یاس آفریں مجھ کو اگر مل جائے کچھ اس کا جواب دل نشیں مجھ کو
کیا ہے کیا وطن کے واسطے اے نوجواں تو نے

اس دور کی خصوصیات میں فرقہ وارانہ یک جہتی پر زیادہ زور ہے اردو شاعری کی فضا آزادی کی تحریکات سے ہم آہنگ ہے حب الوطنی، مفکرانہ انداز میں وطنیت کا شعور اور چھوت چھات کے خلاف اظہار نفرت، ہندوستان میں پھیلے ہوئے شہروں کا تعارف کرا کے علاقائی یک جہتی کا احساس

پیدا کرانا، اس دور کی اہم خصوصیات ہیں۔ اس دور کے بہت سے شعرا نے ترقی پسند تحریک کے حاوی رجحان کی پیروی نہ کرتے ہوئے اپنی الگ شناخت قائم کی۔ اس نئے راستے کی نشان دہی کرنے والوں میں شعراء کا وہ گروہ تھا جنھوں نے اقبال، چکبست، اکبر اور ظفر علی خاں کے دوش بدوش شاعری کی تھی اور آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنائی تھی۔ آنے والے دور میں یہ اپنے عہد کی تاریخ بن گئے اور اپنی شاعری سے قومی یک جہتی کے شعور کو بالکل واضح کر کے اس تاریخی، تہذیبی تسلسل کی ترجمانی کرتے ہوئے اردو شاعری میں ایک نئے دور کی بنیاد رکھی۔

اس فضا اور اس پس منظر میں جوش ملیح آبادی کی شاعری پروان چڑھی۔ جوش کا تعلق طبقۂ اشرافیہ سے تھا ماحول اور ذاتی روابط کی وجہ سے جوش مذہبی تعصب سے کوسوں دور تھے اس لیے انھوں نے جب اپنی شاعری کے خدوخال سنوارے تو سیاسی اور سماجی حالات کے تین پہلو محرک ثابت ہوئے (1) فرقہ وارانہ یک جہتی کی ضرورت (2) اردو شاعری کو ہندوستانیت اور وطنیت کی ضرورت کا احساس دلانا (3) طبقاتی کشمکش کا دھندلا اور مبہم سا احساس۔

جوش کی ابتدائی دور کی نظمیں جو روح ادب اور نقش ونگار میں نظر آتی ہیں ان میں ہندوستانیت کی فضا بھرپور ہے ''کوہستان دکن کی دعوتیں'' ''امانی گنج کا باغ'' ''جامن والیاں'' ''مالن'' ''مہترانی'' ''گنگا کے گھاٹ'' ''فتنۂ خانقاہ'' ''فاختہ کی آواز'' ''گرمی اور دیہاتی بازار'' جیسی نظمیں خالص ہندوستانی فضا کی پروردہ ہیں ان کی سیاسی شاعری کا آغاز پہلے تو صرف وطن سے محبت کے مجرّد تصور سے ہوتا ہے جس کا خوبصورت نمونہ ''اے وطن، روح روان احرار'' والی نظموں میں ملتا ہے لیکن ملک کی فضا میں جس شدت سے وطن کی آزادی کا جوالا مکھی پھوٹا پڑا تھا اس نے جوش کو باقاعدہ طور پر وطن کی آزادی کے تصور سے ہمکنار کیا۔ اس سے پہلے بھی ان کے یہاں وطن پرستی اور حب الوطنی کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ وطنیت کا جذبہ کبھی کبھی جارحانہ شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ماضی کی روایات پر فخر اور قومی تفاخر کا شعور فسطائی اور نیستی بنا دیتا ہے۔ ہٹلر، مسولینی، کی شخصیتیں اس کی مثالیں تھیں۔ ترقی پسند تحریک نے اس تنگ دائرے سے نکل کر وطنیت کے مقدس جذبے کی تطہیر اور تہذیب کر کے اسے آفاقیت کا شعور عطا کیا۔ اس طرح قومی یک جہتی کو منفی تصورات کا شکار ہونے سے بچا لیا۔

ان کی فطرت نگاری میں پورے ہندوستان کی جھلک تھی فانی کی طرح وہ دکن کو دیار غیر اور ہندوستان سے دور نہیں سمجھتے تھے۔ پورا ہندوستان ان کا وطن ہے اور جب وہ کہتے ہیں ؎

خواب کو جذبۂ بیدار دیئے دیتا ہوں
قوم کے ہاتھ میں تلوار دیئے دیتا ہوں

تو اس سے بلاتفریق پوری ہندوستانی قوم مراد ہے۔

جوش نے اپنی شاعری کو اس قومی دھارے سے ہم آہنگ رکھا جو متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی چاہتا تھا' وفاداران ازلی کا پیغام شہنشاہ ہندوستان کے نام' اس کی بہترین مثال ہے ؎

آپ سے کیوں کر کہیں ہندوستاں پر ہول ہے
آپ کا نام آگ ہے اور کانگریس پٹرول ہے

جوش آزادی کے طلب گار ہیں یہ آزادی کا تصور انھیں شعری وراثت میں ملا ہے اگر اسماعیل کو آزاد رہ کر خشک روٹی اچھی لگتی تھی تو جوش کی شاعری نے ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے آزادی کے ایک لمحے کو غلامی کی حیات جاوداں پر ترجیح دی۔

سنو اے بستگانِ زلف گیتی ندا کیا آ رہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر غلامی کی حیات جاوداں سے

اور وہ اسیری اور محکومی سے اس حد تک بیزار ہیں کہ گلے کی ساخت کو بھی غلامی سے بگڑتا ہوا دیکھتے ہیں۔

آگ ہے لحن طائر آزاد خاک ہے طائر قفس کی لے
ہم صفیرو گلے کی ساخت کو بھی کیا اسیری بگاڑ دیتی ہے

سیماب کی نظم ''ہندوستان'' تہذیبی تاریخ بھی ہے اور آزادی کی تمنا کا اظہار بھی، وہ ہندوستان کو ''پرستش گاہ فطرت''، ''سجدہ گاہ آفتاب'' سے تعبیر کرتے ہیں اور ''آتش عجم'' اور ''صنم زار عرب'' میں ہندوستان کی دھوپ دیکھتے ہیں آگے چل کر مسلمانوں کی آمد سے متاثر ہو کر کہتے ہیں۔

مل گئی شمع حرم

بت خانہ کے فانوس سے ابن آذر نے اذاں دی پردۂ ناقوس سے
مسلک بت کو تحفظ کا اشارہ مل گیا کرشن کے مندر کو مسجد کا سہارا مل گیا

اور پھر پوری تاریخ بیان کرتے ہوئے انگریزوں کی آمد کو اس مصرع سے استعارہ کرتے ہیں کہ ''پاسبان وقت کو شب خوں کا موقع مل گیا'' وہ سوال کرتے ہیں ''اے غلام آباد اب وہ تیری آزادی کہاں'' اور ان کا شاعرانہ شعور ماضی کو اس لیے بہتر سمجھتا ہے کہ ماضی قومی وحدت کا گہوارہ تھا اور۔

پستیوں کو ارتقا پھر جلوۂ آغاز دے
کاش مستقبل ترا ماضی کو پھر آواز دے

فرقہ وارانہ منافرت کے خلاف اثر لکھنوی نے ''درس اتحاد'' کے عنوان سے بڑی اچھی نظم لکھی اور تقریباً پہلی بار ''یک جہتی'' کا لفظ اپنے پورے تاریخی شعور کے ساتھ استعمال کیا جستہ جستہ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

الفت ہوئی رسم پارینہ ہے اس کی جگہ دل میں کینہ
اگلوں کے چلن ہم بھول گئے وہ رسم کہن ہم بھول گئے
آپس کی روا داری اٹھی الفت اٹھی یاری اٹھی
وہ یوگ رہا نہ وہ پریت رہی بس اک نفرت کی ریت رہی
یک جہتی جب مفقود ہوئی اور فکر زیاں و سود ہوئی
وہ جذب کی طاقت سلب ہوئی توفیق ہدایت سلب ہوئی
پھولوں سے لدی ہر ڈالی ہو باغ اپنا ہو اپنا مالی ہو
تہذیب کے چشمے پھر ابلیں رسمیں ٹوٹیں آئیں بدلیں
وہ روپ سنگار وطن کا ہو جو تازہ عروس چمن کا ہو
سب اس کے سہاگ کی لاج کریں کیوں اٹھ رہے ہیں کل پر آج کریں

اس دور کے ایک اہم شاعر علامہ جمیل مظہری بھی ہیں جنھوں نے ایک طرف تو ایسے پر جوش ترانے لکھے ہیں جنھوں نے قومی جلسوں میں بڑی شہرت حاصل کی 'نوائے جرس' میں وطن کی آزادی کے نام پر وہ آگے بڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں ۔

جو عقل راہ روک دے تو اس کا ساتھ چھوڑ دو جو مذہب آ کے روک دے تو اس کی قید توڑ دو
ہوا کی طرح سرگراں بڑھے چلو برادران نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

لیکن ان کی سب سے خوبصورت نظم ''بھارت ماتا'' ہے جس میں پوری ہندوستانی تاریخ کی تہذیبی علامتیں ایک طرف مکمل قومی یک جہتی کا شعور بیدار کرتی ہیں دوسری طرف آزادی کا درس بھی ملتا ہے نظم طویل ہے اس لیے مختصراً اس کے صرف وہی اشعار پیش کئے جا رہے ہیں جو ہندوستانی تاریخ کے غیر معمولی توازن اور واضح طور پر یک جہتی کے عناصر پیش کرتے ہیں۔ ہندوستان کا پورا تصور اس نظم میں کھنچ آتا ہے ۔

او ماتا او بھارت ماتا تجھ پہ خدا کی رحمت ماتا
شہد کی نہریں، دودھ کی دھاریں گودی میں جنت کی بہاریں
میٹھے میٹھے پھل دیتی ہے اَن دیتی ہے جَل دیتی ہے
کنگن اور چوڑی کی جھنا جھن شاعر کے دل کی ہر دھڑکن
نام ترا جپتی ہے ماتا تو کتنی پیاری ہے ماتا
آدھی رات کو کالی کوئل موسم کی متوالی کوئل
پھیلتی ہے جب آم کی خوشبو گیت ترا گاتی ہے کوکو

ہے مشہور تری مہمانی پورب پچھّم تری کہانی
تبریزی طوسی، شیرازی مصری، رومی اور حجازی

ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعرا نے خاص طور پر حب الوطنی کو موضوع بنایا۔ 1936 کا زمانہ اردو ادب کی دنیا میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے انجمن پنجاب کے برعکس اردو شاعری کو خالص سیاسی، سماجی اور اقتصادی شعور عطا کیا۔ روز اول سے ہی ترقی پسند تحریک کا مقصد ملک کو غلامی سے آزادی دلانا اور مزدور طبقہ کو اس کے جائز حقوق کی بازیابی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے غزل کے مقابلے میں نظم کو غنیمت جانا اور کم وبیش تمام ترقی پسند شعرا نے نظم نگاری کے ذریعہ اپنے جذبات واحساسات کو پیش کیا۔ نظم کو فروغ دینے میں ترقی پسند شعرا نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا۔ فیض، مجاز، جاں نثار اختر، کیفی اعظمی، مجروح سلطان پوری، ساحر لدھیانوی اور دیگر دوسرے شعرا نے سیاسی وسماجی واقعات وحالات کو بخوبی اپنی نظموں میں پیش کیا۔

ابتدائی دور میں فیض کی 'انتباہ' اختر الایمان کی ''نقش پا'' فیض کی 'مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' مجاز کی ''اندھیری رات کا مسافر'' ''ایک سفید پوش انگریز'' ''آوارہ'' ''نوجوان سے'' ''سرمایہ داری'' ''ایک جلاوطن کی واپسی'' ''مزدوروں کا گیت'' ''رات اور ریل'' مشہور نظمیں ہیں ،ن۔م راشد کی ''انسان'' ''دریچے کے قریب'' ''اظہار'' ''طلسم جاوداں'' سلام مچھلی شہری کی ''جنگل کا ناچ'' ''سات رنگ'' ''ڈرائنگ روم'' بھی کافی مقبول نظمیں تھیں۔

ترقی پسند تحریک کے بعد کے عبوری دور میں یعنی 1950 سے 1955 تک کا زمانہ میں حلقۂ ارباب ذوق نے نظم کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ انہوں نے اپنی نظموں کو علامتوں کے پس پردہ میں پیش کیا۔ جدیدیت کے رجحان نے خارجیت کے ساتھ ساتھ داخلیت کو بھی شاعری میں جگہ دی اس کے یہاں عرفانِ ذات اور ماضی کی بازیافت کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مگر اس کے علاوہ انہوں نے سیاسی وسماجی موضوعات کو بالکل ترک نہیں کیا بلکہ نئی علامتوں، تشبیہوں ترکیبوں اور استعاروں کے سہارے وطن اور جذبۂ حب الوطنی پر عمدہ نظمیں لکھیں۔

4.4 آپ نے کیا سیکھا

- اردو نظم اور حُبّ الوطنی کے رجحانات ومیلانات سے واقف ہوئے۔
- اردو نظم سے منسلک حُبّ الوطنی کے نمائندہ شعرا کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
- حُبّ الوطنی سے متعلق اردو نظم کے نمائندہ موضوعات کا جائزہ لیا۔
- حُبّ الوطنی سے متعلق اردو نظم کی قدر و قیمت کا تعیّن کیا۔

4.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ جدید عہد کے قومی و وطنی نظم گوئی سے متعلق کچھ اہم شعرا کے نام بتایئے؟

2۔ جدید عہد میں اردو شاعری کی کس صنف پر خصوصی توجہ دی گئی؟

3۔ 1857 کے بعد کے کلاسیکی شاعری کے کون علمبردار تھے؟

4۔ حب الوطنی سے متعلق کسی معروف شاعر کی نظم سے کوئی دو بند تحریر کیجیے؟

4.6 سوالات کے جوابات

1۔ جدید عہد کے قومی و وطنی نظم گوئی سے متعلق کچھ اہم شعرا کے نام یہ ہیں:

محمد حسین آزاد، سرور جہاں آبادی، الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، اکبر آلہ آبادی، برج نارائن چکبست، شاد عظیم آبادی، سر محمد اقبال، تلوک چند محروم، حسرت موہانی اور جوش ملیح آبادی وغیرہ۔

2۔ 1857 کے بعد جدید اردو نظم کا ارتقا ہوا۔ محمد حسین آزاد، حالی، اسماعیل میرٹھی اس کے بانیوں میں تھے جنھوں نے نظیر اکبر آبادی کی روایت کو آگے بڑھایا۔ اقبال، اکبر الہ آبادی، چکبست اور جوش نے اپنی شاعری سے اس صنف کو عظمت بخشی۔

3۔ 1857 کے بعد کی کلاسیکی شاعری کے علمبرداروں میں جگر مراد آبادی اور حسرت موہانی تھے۔ جنھوں نے غزل کی آبرو رکھی اور جدید۔ و قدیم رنگ کو اپنی غزلوں میں سمویا۔ ریاض خیر آبادی نے بھی اپنی خمریات سے ایک نئے موضوع کا غزل میں اضافہ کیا۔

4۔ (I) آزاد نے نظم ''حب وطن'' میں وطنیت کے جذبے کو بہت شدّت کے ساتھ بیان کیا اس کا یہ بند ملاحظہ ہو

اب میں تمھیں بتاؤں کہ حب وطن ہے کیا وہ کیا چمن ہے اور وہ ہوائے چمن ہے کیا
وہ رحمت خدا ہے کہ بندوں پہ عام ہے وہ لطف عام جس سے جہاں شاد کام ہے
حب وطن ہے جلوہ اُسی نور پاک کا اور روشن ہے اس کے نور سے عالم ہے خاک کا
ہو مہر میں یہ نور تو اس کو کرن کہیں گر دل سے جلوہ گر ہو تو حب وطن کہیں

(II) نظم ''تصویر درد'' میں اقبال نے فرقہ پرستی کے خلاف پوری قوت سے مزمت کی ہے

اور وہ ذلت ورسوائی کو اجاگر کر کے ہمیت کو بیدار کرنا چاہتے ہیں اس کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذت فریاد پیدا کر زمیں پر تو ہوا ور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو! تمھاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں

4.7 فرہنگ

لفظ	معنی
حُبّ الوطنی	اپنے دیس سے پیار
ہم آہنگی	میل، اتحاد
رمز	اشارہ آنکھ منہ ابرو وغیرہ سے
پاداش	بدلہ، عوض
صعوبتیں	مشکلیں، مصیبتیں
قومیت	وطنیت، شہریت، نسل، اصل
باشندے	شہری
عقائد	عقیدہ کی جمع ایمان،
گہوارہ	بچوں کو سلانے کا جھولا
اخوت	بھائی ہونے کا رشتہ، برادرانہ تعلق جو رشتے کے علاوہ کسی اور نسبت سے ہو
جذبۂ ایثار	قربانی کا جذبہ
بہشت	جنّت
ماہی	وہ مچھلی جس کی نسبت خیال تھا کہ اس کی پشت پر زمین ہے
کائنات	دنیا
مشت	مٹھی، بہت تھوڑا
خاکی	مِٹّی یا مٹّی کے رنگ کا
عنصر	اصلی جزو، وہ چیز جو مرکب نہ ہو
شاد	خوش وخرّم

تعصب	مذہبی طرفداری، بیجا حمایت
وا کرنا	پھیلانا، کھولنا
دیدۂ بینائے قوم	قوم کی عقل، فہم، سمجھ
اشک افسانی	آنسو بہانا
فرسودہ	پُرانا، قدیم
شمشیر	تلوار
سناں	تیر کی نوک
انگبیں	شہد
سم	زہر
برگ	پتّا
یاس	ناامیدی
پروردہ	پرورش کیا ہوا
زلف	بالوں کی لٹ
گیتی	دنیا، سنسار، زمانہ
ندا	آواز
اسیری	نظر بندی، قید و بند
لحن	خوش گفتاری
طائرِ آزاد	آزاد چڑیا
طائرِ قفس	نظر بند چڑیا
مفقود	کھویا ہوا، غیر موجود
سلب	لے لینا، چھین لینا

4.8 کتب برائے مطالعہ

1	سید مجاور حسین رضوی	اردو شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر	اردو اکادمی لکھنو 2004
2	علی جوزیدی	اردو میں قومی شاعری کے سو سال	اردو اکادمی لکھنو 2010
3	ڈاکٹر بانو سرتاج	اردو شاعری اور قومی یکجہتی	پہچان پبلیکیشنز الہ آباد 2004
4	ڈاکٹر رام آسرا راز	اردو شاعری میں قومی یک جہتی کی روایت	جمال پرنٹنگ پریس دہلی
5	ساحل احمد	جنگ آزادی میں شاعری کا حصہ	اردو رائٹرس گلڈ الہ آباد 1998

6 انور سدید اردو ادب کی تحریکیں کراچی 1985
7 ڈاکٹر منظر آعظمی اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ لکھنو 1985
8 جمیل جالبی تاریخ ادب اردو (جلد دوم) دہلی 2000
9 سیدہ جعفر تاریخ ادب اردو (عہدِ میر سے ترقی پسند تحریک تک) حیدرآباد 2002

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY